؟

ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ

اور

وصیت نامۂ حضرت غفران مآبؒ

ناشر

نور ہدایت فاؤنڈیشن

حسینیۂ حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ، چوک،

لکھنؤ-۳

یو۔پی۔انڈیا

نام کتاب : ____________ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ اور وصیت نامۂ حضرت غفران مآبؒ

تصنیف : ____________ ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ

آیۃ اللہ سید دلدار علی نقوی/ مترجم امتیاز الشعراء قدسیؔ جائسی

ناشر : ____________ نور ہدایت فاؤنڈیشن، لکھنؤ

سرورق : ____________ ایڈورٹائزرس انڈیا، لکھنؤ

کمپوزنگ : ____________ آئیڈیل کمپیوٹرس پوائنٹ، لکھنؤ

طباعت : ____________ نظامی پریس، لکھنؤ

تعداد : ____________ ایک ہزار

سنہ طباعت : ____________ نومبر ۲۰۰۶ء

قیمت : ____________ ۳۰/روپے

فہرست

عناوین		صفحہ
سخنان	سید مصطفی حسین نقوی اسیف جائسی	۷
ہندوستان میں شیعیت	صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب	۹
شیعہ کانفرنس	عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین صاحب	۱۰
ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنائے شیعہ کانفرنس	شیخ ممتاز حسین جونپوری صاحب	۱۱
ایک گزارش	م۔ر۔عابد	۱۷
تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقوی صاحب	۲۱
مذہب شیعہ ایک نظر میں	آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقوی صاحب	۲۹
ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ	ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ	۵۵
تمہید		۵۶
تیرہویں صدی، ہجری عہد آصف الدولہ میں شیعیت کی تجدید		۵۷
مولانا دلدار علی غفران مآبؒ اور سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں		۵۷

مغل حکومت اور شیعہ ۵۷
تصنیف و تالیف ۶۱
ہندوستان میں شیعوں کی پہلی نماز جماعت ۶۴
شیعہ قومیت کی تشکیل ۶۴
نماز جمعہ کی ابتداء ۶۴
موعظہ کی ابتداء ۶۵
اصلاحی کوشش ۶۵
تصوف کی مخالفت ۶۵
اخباریت کی رد ۶۶
تعزیہ داری ۶۶
درس و تدریس ۶۷
قبرستان ۷۲
یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں ۷۲
شاہ زمن غازی الدین حیدر ۷۳
غازی الدین حیدر کے اکلوتے بیٹے نصیر الدین حیدر ۷۳
سلطان العلماء سید محمد مجتہد العصر ۷۳
ابوالفتح معین الدین محمد علی شاہ ۷۳

خطاطی ---------- ۷۶

شاعری ---------- ۷۶

شہر کی ترقی ---------- ۷۷

امجد علی شاہ ثریّا جاہ ---------- ۸۲

علماء کی کثرت ---------- ۹۴

روحانیت ---------- ۹۶

حق پر استقامت ---------- ۹۷

الوصیۃ والنصیحۃ — وصایائے غفران مآبؒ بنام سلطان العلماء — ۱۰۱

تقریظ — علامۂ ہندی آیۃ اللہ سید احمد صاحب — ۱۰۲

تقریظ — سند العلماء مولانا سید رضی حسن جائسی — ۱۰۳

عرض مترجم — امتیاز الشعراء سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی — ۱۰۶

وصیت نامۂ حضرت غفران مآبؒ ---------- ۱۰۷

حصول یقین ---------- ۱۰۷

تحصیل علم وکمال ---------- ۱۰۷

علوم حکمیہ سے احتراز ---------- ۱۰۷

عمل بہ علم ---------- ۱۰۸

اجتہاد بالرائے ---------- ۱۰۹

علم پر غرّہ ---------- ۱۰۹

تعظیم فقہاء وتکریم علماء ---------- ۱۰۹

اہل بدعت سے احتراز ---------- ۱۱۰

احقاق حق وابطال باطل ---------- ۱۱۰

دعا ---------- ۱۱۰

توکل بہ خدا ---------- ۱۱۱

استخارہ واستشارہ ---------- ۱۱۴

طلب دنیا میں میانہ روی ---------- ۱۲۲

اہل دنیا سے دوری ---------- ۱۲۴

حسن خلق ---------- ۱۲۵

صلۂ رحم ---------- ۱۲۷

بکا علی الحسینؑ ---------- ۱۲۸

صبر وضبط ---------- ۱۲۹

ایصال ثواب ---------- ۱۳۰

تاریخ اشاعت پاک — م۔ر۔عابد — ۱۳۲

سخنان

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ لکھنوی کی ذات، محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کئی درجن اہم کتابوں کے مصنف اور سیکڑوں مذہبی وادبی مقالات تحقیقیہ کے مالک نیز صاحب کمال شاعر اور مورخ ہیں۔

مولانا کی تاریخی کتابوں میں بہت اہم ''تاریخ لکھنؤ'' اور ''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ'' ہے۔

''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ'' نامی مقالہ بہت پہلے ہندوستان کے رسائل میں قسط وار چھپا اور پاکستان میں تو کتابی شکل میں کئی بار اشاعت پذیر ہوا۔ برادر عزیز رضوان حیدر زیدی (ابن عالم حسین زیدی، جھانسی) کے مالی تعاون سے مؤسسہ نور ہدایت کو یہ موقع ہاتھ آیا کہ ''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ'' کو ہندوستان میں شائع کیا جائے۔

کتاب میں مولانا نے دکھایا ہے کہ مجددؒ الشریعۃ مُحیُ الملۃ آیۃ اللہ سید دلدار علی غفران مآبؒ سے پہلے ہندوستان میں شیعوں کی کیا خراب حالت تھی، شیعیت بس نام کو تھی پھر غفران مآبؒ نے اپنے عہد میں سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں کی مدد سے شیعیت کو اس کے اصلی خدوخال میں پیش کیا اور نام کے شیعوں کو کام کا بنا دیا انھیں قومیت کا درجہ عطا کیا اور عزاداری کا صحیح تصور اور عزاخانوں کی موجودہ تصویر غفران مآبؒ ہی نے پیش کی۔

''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ'' سے پہلے شیخ ممتاز حسین جونپوری کا معلوماتی مضمون ''ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنائے شیعہ کانفرنس'' اور صاحب کمال ادیب م۔ ر۔ عابد کا مختصر مگر بے حد قیمتی مضمون ''ایک گزارش'' نیز محقق اعظم آیۃ اللہ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ کے دو مضامین ''تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ'' اور ''مذہب شیعہ ایک نظر میں'' مقدمہ کی صورت میں لگائے گئے ہیں تاکہ قاری، شیعہ مذہب کے عقائد واعمال سے بھی اجمالاً واقف ہوسکے۔

کتاب کے آخر میں ہندوستان کے پہلے فقیہ ومجتہد جامع الشرائط اور شیعیان ہند میں

نماز جماعت اور نماز جمعہ کے مقیم وبانی حضرت غفران مآبؒ کے وصیت نامہ (عربی) کا اردو میں ترجمہ ہے۔ یہ اس اجازۂ اجتہاد کے تھوڑے سے حصے کا ترجمہ ہے جو غفران مآبؒ نے اپنے فرزند اکبر قبلہ وکعبہ سلطان العلماء آیۃ اللہ سید محمد رضوان مآبؒ کو دیا تھا اس میں ایک حصہ نصیحت ووصیت کا ہے جس کا ترجمہ سند المجتہدین علامۂ جائسی آیۃ اللہ سید علی حسن رحمہ اللہ کے کہنے پر امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی نے کیا تھا لیکن افسوس کہ وہ اب تک طباعت واشاعت کی منزل طے نہیں کرسکا تھا، خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی تاریخ شیعیت کے ساتھ طبع ہو رہا ہے۔

وصیت نامہ میں قارئین کرام پڑھیں گے کہ حضرت غفران مآب نے اپنے بیٹے کو عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کو فروغ دینے اور اس میں زیادہ سے زیادہ انہماک رکھنے کی خصوصی وصیت فرمائی ہے اور پھر وصیت میں کتنا خلوص تھا، محسوسات وتجربات شاہد ہیں کہ اب تک اس کا اثر ہے یعنی اجتہاد سے منسوب خاندان، ہندوستان میں عزائے امام مظلومؑ کا سب سے بڑا مروج ومبلّغ رہا۔ خاندان اجتہاد کے علماء وفقہاء اور شعراء وادباء قلم اور رقم، زبان اور جان ہر چیز سے عزاداری کی خدمت کرتے رہے، جس کی زندہ مثال آج بھی قائد ملت کی ذات ستودہ صفات ہے۔

آخر میں مومنین سے گزارش ہے کہ کاظم حسین زیدی ابن وارث حسین، نیاز فاطمہ بنت میر اصغر حسین، صغیر فاطمہ بنت سعادت حسین، ولی حسن نقوی پرشدیپوری ابن سید ریاض احمد مرحوم اور باقرہ بیگم بنت سید حسن رضا مرحومین کے ارواح کو ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ توحید کی تلاوت فرما کر ایصال فرمائیں۔

گدائے در اہلبیتؑ
سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی
مدیر ماہنامہ ''شعاع عمل''، لکھنؤ
حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ، لکھنؤ

ہندوستان میں شیعیت

صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحبؒ

میں صحیح نہیں عرض کرسکتا کہ سرزمین لکھنؤ کب سے آباد ہے اور اس کی ابتدا کس کے ہاتھوں سے ہوئی لیکن اگر لچھمن ٹیلہ کی نسبت درست ہے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دریائے گومتی کے کنارے آباد یہ خوبصورت شہر ہزاروں انقلاب دیکھ چکا ہے۔ لیکن اس شہر کو نمایاں شہرت اس وقت سے حاصل ہوئی کہ جب سے اودھ کے شاہی خاندان نے اٹھارویں صدی میں اس علاقہ کو اپنا مستقر بنایا۔

لکھنؤ کی لفظ سے ایک خاص معاشرت وتہذیب، ایک ممتاز اخلاق، ایک نکھری ستھری زبان کا تصور ہوتا ہے جس کی خصوصیت لطافت ونزاکت، نوک پلک سے درست ہونا ہے۔ جن میں لوچ اور لچک ہو مگر نہ اتنی کہ معیوب بن جائے۔ اس تہذیب ومعاشرت، اس اخلاق وزبان کے بنانے اور سنوارنے میں سب سے بڑا ہاتھ شاہان اودھ کا ہے جن کی داد ودہش، اہل فن وکمال کی مرتبہ شناسی وقدردانی نے ملک کے گوشہ گوشہ سے صاحبان فن وکمال کو ایک مرکز پر جمع کردیا تھا جن میں سے کچھ وہ تھے جو کڑی اور کھری زبان بولنے والے تھے اور کچھ وہ تھے جن کے لہجہ میں لوچ حد سے زیادہ تھا۔ مختلف دھاروں کے ایک سنگم پر جمع ہونے سے لکھنؤ کی معتدل تہذیب، خوبصورت زبان اور شائستہ معاشرت نے جنم لیا، جس میں رواداری ہی نہیں بلکہ ایثار اور دوسروں کو اپنے اوپر مقدم سمجھنا نمایاں خصوصیت ہے۔

جہاں لکھنؤ کو مخصوص تہذیب وزبان کا گہوارہ ہونے کا شرف حاصل ہے وہیں اس عروس البلاد کی جبین افتخار پر چاند بن کر یہ فضیلت بھی جگمگا رہی ہے کہ یہ تمام غیر منقسم ہندوستان میں مذہب جعفری کا علمی اور مذہبی مرکز بھی تھا اور ہے۔ جس کا سہرا مجدد شریعت محیی ملت حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ والرضوان کے سر ہے۔ یوں تو مختلف اطراف واکناف ملک میں ہمارے مذہبی اور روحانی پیشوا برابر ہوتے رہے مگر اس کی مثال ویسی ہی تھی جیسے کفر وبدعت کی تاریک رات میں کبھی کبھی یہاں وہاں بجلی چمک جائے اور پھر کالی اور بھیانک سیاہی گھیر لے۔

مگر جناب غفرانمآب رضوان اللہ علیہ نے مطلع لکھنؤ پر مہر نور بار کی طرح طلوع فرمایا اور مذہب جعفری کا نور صبح صادق کی طرح تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

شیعہ کانفرنس

عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین صاحبؒ

اس کانفرنس نے اور میں نے ایک ہی آغوش میں پرورش پائی۔ منزل تربیت ایک تھی، مرکز نشوونما ایک تھا یعنی میرے والد مرحوم حضرت قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے ۱۹۰۷ء میں اس کانفرنس کی بنیاد رکھی اور سرکار نجم الملۃ و ناصر الملۃ طاب ثراہما نے اس کے استحکام میں ہر کوشش صرف فرمائی۔ مجھ کو وہ وقت یاد ہے جب اس کا نام "انجمن صدر الصدور وامامیہ اثنا عشریہ کانفرنس" تھا۔ آج تو دنیائے شیعیت، علماء کو تنگ نظر، قدامت پسند، سیاست سے بے خبر سبھی کچھ کہنے پر تیار ہے مگر آپ یاد رکھیں کہ یہ بزم شوریٰ، یہ محدود جمہوریت کا مرکز علماء مذہب کے ذہن رسا کی ایجاد واختراع ہے۔ جس وقت فدایان طرز جدید بالکل خاموش اور بے خبر تھے اس وقت عالمان دین ہی نے ضروریات زمانہ کو محسوس کرتے ہوئے کانفرنس کی تشکیل کی۔ علماء ہی نے بڑھایا، کامیاب بنایا، اس شجر کی آبیاری کرکے قابل برگ وبار بنایا اور آپ کے ہاتھوں میں یہ کہہ کر دیدیا:

سپردم بتو مایۂ خویش را ۔۔۔ تو دانی حساب کم وبیش را

پہلے ہی جلسہ میں اس کا نام مختصر کرکے "آل انڈیا شیعہ کانفرنس" قرار دیا گیا جو آج زباں زد خاص وعام ہے۔

اس کانفرنس نے عالم رنگ وبو میں آنکھ کھولتے ہی دینی ودنیاوی میدان میں عملی اقدامات شروع کردیئے۔ واعظین ومبلغین معین کیے گئے جو تمام ہندوستان میں دورہ کرکے قوم کی دینی و دنیاوی خدمات انجام دیں۔ دار التالیف والتصنیف، دار الذکر اور دار الترجمہ قائم کیا گیا۔ شیعوں کی اقتصادی اصلاح کے پروگرام بنائے گئے۔ شیعہ شوگر فیکٹری کا افتتاح کیا گیا، تعلیم کے لیئے مدرسے قائم کیئے گیئے، کتبخانہ قائم کیا گیا، دار المطالعہ کھولا گیا، طلباء کے وظائف جاری کرنے کی تحریک پیش ہوئی اور وظائف دیئے گئے۔ یتیم خانہ بھی اسی دور کی بنیاد ہے اور شیعہ کالج جو آج مچل مچل کے آغوش مادر سے باہر نکلنا چاہتا ہے وہ بھی اسی ایک اصل کی فرع ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں خدا کے فضل سے اب تک موجود ہیں اور بعض ختم ہوگئیں۔

ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ

اور

بنائے شیعہ کانفرنس

جناب شیخ ممتاز حسین جونپوری صاحب

ہند میں مسلمانوں کی آمد

پچھلے دور کے حالات کو جوڑنے بٹورنے سے جو کچھ معلوم ہوسکا وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں عرب سے کچھ مسلمان سب سے پہلے آکر ہندوستان کے مغربی ساحل پر آباد ہوئے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو آج موپلا اور کوکنی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ سے اور حضرت امام حسینؑ کے زمانے میں بھی کچھ مسلمان ہندوستان میں آئے۔

شیعوں کا پہلا نقشِ قدم

عرب سے شیعوں کی آمد اور ہندوستان میں ان کی بُودوباش کا قدیم سے قدیم جو تاریخی سراغ مل سکا ہے وہ یہ ہے کہ اب سے نوسو سال پہلے اسماعیلیہ فرقہ کے شیعہ یہاں آئے اور ان کے ایک داعی کا مستقل قیام کھمبات میں ہوا۔ اس نے ایک کسان زن وشوہر کو مسلمان کیا جن کی قبریں اب تک کھمبات میں موجود ہیں اور یہ کاکا اکیلا اور کاکا اکیلی کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی زمانہ میں ان کے ایک داعی نے جاکر سکندرآباد (حیدرآباد دکن) میں قیام اختیار کیا اور ان کا مزار آج بھی شیعہ بواہیر کی زیارت گاہ ہے اسی طبقے سے ہمارے شیعہ بواہیر بھائیوں کے موجودہ داعی حضرت مولانا طاہر سیف الدین صاحب ہیں جنھوں نے شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ ادارات کی بہت کچھ امداد فرمائی ہے۔

دنیا کے مشہور فاتح امیر تیمور صاحبقران کے زمانے سے ایرانیوں کی آمد کا سلسلہ ہندوستان

میں شروع ہوا اور شیعیت اور خصوصاً تعزیہ داری کی داغ بیل ہندوستان میں اسی وقت پڑنے لگی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ۹۷۷ء میں سلطان ناصر الدین سبکتگین، غزنی میں فرماں روا تھا اس وقت بہ حیثیت فاتح، مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں آئے انھیں مسلمانوں میں شیعہ سادات بارہا کے جد سید ابوالفرح واسطی بھی ہیں، ان کی اولاد سلاطین ہند کے دربار میں اپنے علم وکمال کی وجہ سے ہمیشہ مقرب رہی، اس کے علاوہ تاریخوں سے مسلمانوں کی مستقل آمد ورفت کا دور محمد قاسم عرب سپہ سالار کے ہندوستان میں ورود کے وقت سے شروع ہوتا ہے، اس وقت سندھ کے حصوں میں مسلمان آکر بس گئے ان میں شیعہ بھی تھے جو تصوّف اور پیری مریدی کے رنگ میں چھپے رہے۔

سندھ میں مسلمانوں کی موجودہ طرز زندگی اور قدیم آثار، مقابر، املاک وغیرہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ یہاں آئے اور بس گئے، میر صاحبان خیر پور سندھ کی املاک اور ریاستیں اور دیگر تاریخی آثار اور واقعات اس کے مؤید ہیں شیعوں کی داستان پارینہ بہت گومگو کی حالت میں ہے۔ سابق اسلامی فرماں روایان ہند میں کوئی شیعہ نہ تھا اسی وجہ سے شیعوں کا ذکر خاص طور پر تاریخ میں نہیں ملتا۔

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے دور میں قرن اولیٰ کے عام اور خاص مسلمان تنگ نظری اور تعصب کا شکار تھے۔

شیعوں کی قدیم زندگی

شیعہ اپنی ہستی اور وجود کو قائم رکھنے کے لئے تقیّے کے گہرے پردوں میں جابجا چھپے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے۔ تاریخ خاموش ہے کہ اس وقت شیعہ کتنے اور کہاں کہاں تھے۔ انھیں میں سے کچھ شیعہ رفتہ رفتہ غیروں میں اس طرح جذب ہوگئے کہ ان کی شیعیت بھی ان کی رواداری پر قربان ہوگئی، جو بچ گئے وہ اپنی شیرازہ بندی نہ کر سکے نہ خوف سے کوئی جداگانہ قومیت قائم کر سکے۔

اُن دنوں ہندوستان میں سنیاسی فقیروں سے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی اس لئے اس وقت ہندوستان میں جہاں جہاں بھی شیعہ تھے فقیری اور تصوف کے لباس میں تھے اور نہایت خاموشی سے زندگی بسر کرکے دنیا کو فائدہ پہنچاتے رہے اور بہت کچھ تبلیغی خدمات کرتے رہے۔

شیعوں کی پہلی سلطنت

آٹھویں صدی عیسوی میں پہلے پہل شیعہ سرزمین دکن میں کچھ پھلے پھولے تاریخ ہند میں سلاطین بہمنی کا عہد، شیعوں کی نمود اور ترقی کا پہلا باب ہے، اس شیعہ حکمراں خاندان کے عہد سے شیعہ شعرا اور دیگر اہل کمال کا مجمع دکن اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں نظر آنے لگا۔ میر فضل اللہ، خواجہ زین العابدین ہمدانی، خواجہ محمد گازرانی، ملا شاہ طاہر، میر عالم، ملا محمد قاسم مشہدی، میر مومن وغیرہ اسی تاریخی عہد کے یادگار شیعہ ہیں جو برابر ممتاز عہدوں پر مامور رہے۔ انھیں کے امثال ہزارہا شیعہ، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈا، شولاپور، گلبرگہ، حیدرآباد اور کرناٹک کے کھنڈروں میں مدفون ہیں، خود سید محمد گیسو دراز صاحب جن کا مزار گلبرگہ شریف میں ہے شیعہ تھے۔ سلاطین مغلیہ کے عہد سے پہلے بھی ہندوستان کی مملکت کے اور حصوں میں شیعہ برسراقتدار تھے۔ بابر، بانی سلطنت مغلیہ کے معتمد دوست بیرم خاں کا یہ اثر واقتدار تھا کہ مرتے وقت بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کا ہاتھ بیرم خاں کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دے دیا تھا ''سپردم بہ تو مایۂ خویش را'' بیرم خاں نے بھی وہ کام کیا کہ اپنے فرقے اور قوم کا نام رکھ لیا اور شیر شاہ سوری کے پنجے سے ملک کو پھر چھین لیا اور شاہ ایران کی مدد سے ہندوستان کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر ہمایوں کو دلا دی۔ اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلامی سلطنت ہند پر یہ ایک شیعہ بادشاہ کا احسان ہے۔

اکبر کے دربار کے نورتن میں پانچ شیعہ تھے جو روح وروانِ سلطنت تھے جہانگیر کے عہد میں قاضی نوراللہ شوستری اعلیٰ اللہ مقامہٗ (ملقب بہ شہید ثالث) دارالقضا کے عہدے پر مامور تھے اور ان کی شیعیت اور قابلیت ہی ان کے قتل کا باعث ہوکر اوراق تاریخ کو رنگین کر گئی، مگر یہ ثابت ہوگیا کہ دینی اور دنیوی دونوں امور میں شیعہ اپنی اعلیٰ دماغی سے سلطنت کے مددگار رہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں سید حسین علی اور سید عبداللہ شیعہ سادات بارہا اسی خاک سے اٹھے اور تاریخ کے صفحات پر بادشاہ گر کا لقب حاصل کر کے پیوند خاک ہوگئے غرض کہ یوں ہی ادھر ادھر شیعہ ہندوستان میں سلطنت ہند کے مختلف شعبوں میں اگرچہ خود حکمراں اور بادشاہ نہ ہوئے مگر بادشاہ گر اور معین سلطنت ہمیشہ ہی رہے۔

شیعہ سلاطین

دکن کے قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کے بعد جونپور کے شیعہ سلاطین شرقی کا دور ان کے کارنامے ان کے دارالعلوم اور ان کی علم پروری کا زمانہ تاریخ ہند کا ایک یادگار دور ہے۔

شیعہ وزیر اور گورنر

یوں تو سلاطین اسلام کے دربار میں، میدان جنگ میں اور ہر شعبہ یعنی رزم میں بزم ادب اور ہر جگہ شیعوں کی علمی وعملی قابلیت سے سلطنت کا وقار بڑھتا رہا اور تاریخوں میں ان کے نام اور ان کے کارناموں کی تفصیل موجود ہے مگر ادھر بنگال میں نظامت اور حکومت شیعہ فرماں روا کے ہاتھ میں تھی، ادھر حیدر علی ٹیپو سلطان وغیرہ ساحل ہند اور مدراس وغیرہ میں شیعوں کی عظمت وجلالت کی داد دے رہے تھے۔

اودھ میں شیعہ بادشاہ اور وزراء نے دنیا کو جگمگا دیا اور آج تک شیعہ سلاطین کے آثار سے دکن، اودھ اور دیگر ساحل ہند کا دامن خالی نہیں خصوصیت سے جس بات کا ذکر کرنا ہے وہ یہ ہے کہ آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے زمانے میں جناب مولانا سید دلدار علی صاحب مرحوم غفران مآبؒ نصیرآباد ضلع رائے بریلی (اودھ) کی خاک پاک سے اٹھے اور تکملۂ علوم کر کے پھر عراق وعجم چلے گئے۔ پلٹے تو اجازۂ اجتہاد لے کر پلٹے اور ہندوستان میں شیعیت کی شیرازہ بندی کا سنگ بنیاد رکھا لکھنؤ میں غفران مآب کا امام باڑہ اور ان کا مزار بزبان حال کہہ رہا ہے ؎

بیاورید گر اینجا بود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

غفران مآبؒ کے زمانے سے مجلس وماتم کا رواج ہوا، اور شیعیت اور مسئلہ ومسائل کا چرچا گھر گھر ہونے لگا، شیعیت نے ہندوستان میں جس طرح کی فضا میں پرورش پائی اس کا یہ قدرتی اثر ہوا کہ علما پرستی ہر شیعہ کی زندگی کا مایۂ ناز افتخار، اور معاشرت کا طرۂ امتیاز ہوگیا، زمانے کا بڑا حصہ یوں ہی گزر گیا اودھ کی سلطنت مٹی، انگریزی راج ہوا، تہذیب وتمدن نے کروٹ لی مگر شیعوں کی اس زندگی میں کوئی تغیر نہ ہونا تھا نہ ہوا، یہاں تک کہ انگریزی تعلیم بڑھتی گئی، اور انگریزی سلطنت کے زیر سایہ مذہبی آزادی نے پر پرزے نکالے، شہروں میں اسکول اور کالج کھلے، لیکن مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی دنیاوی اور مذہبی دونوں زندگیوں پر حضرات علماء کا اثر کارفرما رہا، خصوصیت سے شیعوں پر

حضرات مجتہدین کے روحانی اقتدار کا یہ اثر تھا کہ شیعہ انگریزی تعلیم کی طرف بہت کم راغب تھے، عام طور پر یہ بدگمانی ہے کہ شاید حضرات علماء انگریزی تعلیم کو منع کرتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہبیت اور اس وقت کی تہذیب اور تمدن کا یہ غالب اثر تھا کہ انگریزی تعلیم کی طرف نہ اتنی رغبت تھی نہ اس کی یہ اہمیت خیال کی جاتی تھی، ممکن ہے کہ علماء کو بھی یہ بات پسند نہ آئی ہو کہ انگریزی تعلیم بڑھی تو کہیں عقائد مذہبی میں کمزوری نہ پیدا ہو جائے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا، رفتہ رفتہ انگریزی تعلیم کا چرچا ہوتا گیا اور سُرعت کے ساتھ انگریزی تمدن اور انگریزی تعلیم بڑھنے لگی، اس وقت سر سید احمد خاں صاحب نے دارالعلوم علی گڑھ یعنی مسلم کالج علی گڑھ کی بنیاد ڈالی، اور مسلمانوں نے بھی انگریزی کتابوں کو زائچہ قسمت سمجھ کر پڑھنا شروع کیا، پھر روٹی دال کے ساتھ جاہ وعزت بھی انگریزی تعلیم کے ہاتھوں سے جب بٹنے لگی تو گھبرا کر شیعہ بھی کاسہ قسمت لئے گھروں سے نکلے اور علی گڑھ کالج کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، انیسویں صدی یوں ہی گذر گئی، بیسویں صدی آئی انگریزی خوانوں کی تعداد بڑھنے لگی، علماء کو اندیشہ ہوا کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے کہیں علماء کے اقتدار اور جذبات مذہبی کو بہا نہ لے جائے، ادھر علی گڑھ میں ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہو چکی تھی اور اس کے جلسے جابجا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ہونے لگے، مسلمانوں کے ہر فرقے میں بیداری کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ شیعوں نے بھی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جابجا اپنی ترقی کے لئے انجمنیں قائم کیں۔ ان میں سے شیعوں کی سب سے کامیاب انجمن مظفر نگر کے سادات کی بنا کردہ انجمن جعفریہ تھی جس کے سالانہ جلسے بھی ہوا کرتے تھے، شیعوں کے خیالات میں بھی کسی حد تک آزادی کی لہر دوڑ چکی تھی اور علماء بھی رفتار زمانہ کو نہایت صبر وتحمل سے دیکھ رہے تھے اور یہ خیال پیدا ہو ہی گیا کہ ضرورت زمانہ کے موافق شیعوں کے لئے کچھ کرنا چاہئے مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد لکھنؤ ایک خاص دل ودماغ اور مزاج زمانہ کے بہترین نبض شناس عالم تھے انھوں نے شیعوں کی دینی اور دنیاوی ترقی کو ملحوظ رکھ کر ۱۳۱۹ھ میں ایک انجمن ''صدر الصّدور'' کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی، اس کے صدر عماد العلماء جناب سید مصطفی عرف میر آغا صاحب قبلہ (مرحوم) مجتہد اور متولی بحر العلوم   مولانا جناب سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ مجتہد اور (منصرم) سکریٹری مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد اور نائب منصرم جناب مولانا سید علی غضنفر صاحب مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں اس کی مخالفت محسن الملک سید مہدی علی خاں صاحب۔ بدرالدین طیب جی جسٹس بمبئی سر

آغا خاں صاحب اور میر سید حسین صاحب بلگرامی جیسی مقتدر ہستیوں نے کی، مگر یہ انجمن اپنا کام کرتی رہی، اور اس کی بڑی غرض یہ تھی کہ آزاد خیالی کو بڑھنے نہ دے اس انجمن نے ایک خاص عربی مدرسے کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی، پیش نمازوں اور واعظین کا تقرر اس کی جانب سے ہوا، یہاں تک کہ ۱۳۲۲ھ میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں ہونے لگا، اس وقت بذریعہ تحریرات وفتاویٰ علماء نے اعلان کیا کہ جب تک علی گڑھ میں تعلیم دینی کا پورا بندوبست شریعت کے موافق نہ ہو جائے علی گڑھ کالج میں کسی شیعہ کو روپیہ نہ دینا چاہئے، اس پر اخبارات نے علماء کے خلاف سخت سے سخت مضامین لکھے، زمانے نے خیالات میں کچھ عجیب مدوجزر کی کیفیت پیدا کر دی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ قومی مفاد کے لئے یہ قرار پایا کہ انجمن صدر الصدور کے سالانہ جلسے لکھنؤ سے باہر کانفرنس کی صورت میں منعقد ہوا کریں، اس بارے میں اور اراکین شیعہ اور خود حضرات علماء میں اختلاف پیدا ہوا، بالآخر جدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات نے قومی مفاد کے لئے مل کر مدتوں غور کیا، اس میں خصوصیت سے مرزا محمد ہادی صاحب رسواؔ مرحوم، خواجہ غلام الثقلین مرحوم، اور خود مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ نے گہری دلچسپی لی، اور ان لوگوں نے انجمن صدر الصدور کی صورت بدل کر مذاق زمانہ کے موافق ایک کانفرنس کی بنا ڈالنے کا تہیّہ کیا، اور اس کا ایک ڈھانچہ مرتب کیا، چنانچہ ایک اعلان شائع ہوا کہ جلسۂ سالانہ انجمن صدر الصدور کانفرنس امامیہ اثناعشریہ ۲۷ لغایت ۲۹ شعبان ۱۳۲۵ھ مطابق ۶ لغایت ۸/ اکتوبر ۱۹۰۷ء بمقام لکھنؤ زیر صدارت مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ منعقد کیا جائے اور اس کے کامیاب بنانے کے لئے مرزا محمد ہادی صاحب رسواؔ اور سید علی غضنفر صاحب نے آگرہ، بھرت پور، میرٹھ، عبداللہ پور، جانسٹھ، سہارنپور، مراد آباد، جون پور، الہ آباد کا سفر کیا، اور پہلا جلسہ ۶/ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو رفاہ عام کلب کی عمارت میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا، اور اس میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنا پڑی اور انجمن صدر الصّدور اسی میں فنا ہو کر معدوم ہو گئی، یا یوں کہئے کہ وہ مشکل بہ صورت کانفرنس ہو گئی، یہ ہندوستان کی سب سے بڑی انجمن ہے جسے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کہتے ہیں۔

ایک گزارش

م۔ر۔عابد

ایک گروہ کی حیثیت سے شیعہ نہ تو کوئی احتجاجی (Protestant) فرقہ ہے، نہ کوئی انحرافی گٹ، یا کوئی علیحدگی پسند (Separatist) جماعت یا کوئی ٹوٹا ہوا دھڑا (Defected Faction)، اور نہ ہی کوئی افتراق وتفرقہ انگیزی والا (Sectarian) مورچہ۔ کسی بھی ذمہ دار شیعہ فرد نے انفرادی طور پر یا کسی بھی قسم کے معقول شیعہ گروہ نے اجتماعی طور سے اپنے کو اسلام، یا ملت اسلامیہ یا امت مسلمہ سے الگ پہچنوانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ (وہ ایک اللہ، ایک رسولؐ، ایک کلمہ، ایک قبلہ، ایک قرآن یا دوسرے مشترک بنیادی معتقدات کو ہی اتحاد ملت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔) وہیں یہ بات بھی کم قابل غور نہیں کہ اگر شیعۂ علیؑ کے موجودہ اصطلاحی معنی نہ لئے جائیں اور عام لفظی مفہوم لیا جائے تو ہر مسلمان بلا امتیاز مسلک ومکتبۂ فکر اپنے کو شیعہ علیؑ یا اہل سنت کہنے یا کہلانے میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کرے گا۔ لیکن جو بھی ہو، سیاسی اغراض ہوں یا نجی مفادات (Vested Interests/निहित स्वार्थ) یا کچھ اور، شیعوں کو الگ تھلگ کرنے کی بھی اپنی تاریخ ہے۔ (یہ بجائے خود تحقیق کا ایک دلچسپ موضوع ہے۔) ایسے میں شیعہ یا شیعیت کی تاریخ جیسے دشوار گزار تحقیقی موضوع پر کوئی قلمی کاوش منظر عام پر آئے تو کیا برا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسولؐ اسلام کی حیات طیبہ میں ہی آپ کے اصحاب کی ایک نمایاں جماعت تھی جو حضرت علیؑ سے اپنی خصوصی وابستگی کی بنا پر شیعہ علیؑ کے عنوان سے جانی پہچانی جاتی تھی۔ اس طرح یہ آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ کم تعداد میں سہی لیکن ایک عمرانی واحدہ (Social Entity) کے طور سے اسی وقت اپنی شناخت بنا چکے تھے۔ رسالت مآبؐ کے بعد

ابھرنے والے سیاسی منظر نامہ میں اس جماعت کا پرزور (لیکن پوری طرح عدم تشدد کا) احتجاج کوئی ڈھکا چھپا بھی نہیں ہے۔ لیکن باقاعدہ ایک بڑے گروہ کی صورت میں 'شیعیان علیؑ' نام بعد میں پڑا۔ جب جناب امیرؑ کے خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد ایک طرف سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کا بڑا زوردار (مسلح) مطالبہ کیا گیا تو حکومت وقت سے برسر پیکار اس احتجاجی فوج کو شیعان عثمانؓ کہا گیا اور ان کے مقابل حکومت کے وفادار یعنی عامۃ المسلمین کو شیعان علیؑ کہا گیا۔ (ظاہر ہے، ان میں موجودہ اصطلاح کے شیعہ اور سنی دونوں شامل تھے۔)

لیکن امیر المومنینؑ کے بعد کی سیاسی کروٹ نے نہ صرف شیعوں کو پھر پہلے والی حیثیت میں پہنچادیا بلکہ ان پر آسمان وزمین تک تنگ کردیا۔ ان پر سختیاں بڑھتی گئیں، ان کا خون سستا ہوتا گیا۔ نتیجہ ظاہر تھا، خود ان کے اندر عدم تحفظ کا احساس بڑھتا گیا۔ بڑھتا ہوا یہ عدم تحفظ خود ہی ایک نفسیاتی توانائی بن کر سماجی قوت اور داخلی طاقت کو بڑھاوا دیتا ہے۔ پھر بھی شیعوں نے ایک قوم، پارٹی یا مذہبی فرقہ کے طور پر اپنی علاحدہ پہچان بنانے کی کوئی انفرادی یا اجتماعی کوشش نہیں کی۔ تقیہ کے زمانہ کے علاوہ بھی کبھی اس کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ اگر ان کا کوئی مخصوص انحرافی طرز عمل ظاہر ہوا تو وہی کہ وہ وحدتِ اسلامیہ کے علمبردار اور حقیقت اسلام کے نظری وعملی مبلغ بنے رہے۔ ان کا یہ اجتماعی طرۂ امتیاز ان کے اپنے اماموں کے زیر سایہ تشکیل پایا اور پروان چڑھا کیونکہ وہ اپنے اماموں سے 'ولایت' (فرماں برداری) کے اٹوٹ بندھن سے جڑے رہے۔ یہ سال عشرہ کی بات نہیں بلکہ رسولؐ کے بعد کم از کم ڈھائی پونے تین سو سال کی براہ راست منظم تربیت اور معصوم نگرانی کا نتیجہ تھی۔ ان کی شناخت ان کے تقویٰ، دینداری اور اقدار اسلام کی غیر مشروط ہمہ گیر پابندی و پاسداری سے رہی۔ یہ شناخت اتنی نمایاں، پائیدار، بے کم وکاست اور پوری طرح Fool Proof تھی کہ ان کے دشمن کی جاسوس نگاہیں بڑی آسانی سے انھیں تاڑ لیتیں۔ یعنی یہ شناخت ان کے دشمنوں کے ہاتھوں میں ایک انتہائی کارگر، بڑا آزمودہ اور وہ بھی بڑا آسان نسخہ بنی رہی۔ اپنی قومی شناخت سے بے نیازی اور طاقتور سامراج کے مظالم کے مسلسل شکار ہوتے رہنے سے ہی شاید ان کے امتیازات ابھرتے رہے اور ان کی صلاحیتوں میں نکھار آتا گیا۔

غیر واضح شناخت کے باوجود جہاں تک علم وتحقیق کی نظر جاسکی اس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ علم وفضل کے ہر میدان میں، اعزاز واکرام کے ہر عنوان میں ان کے نقوش، کسی نہ کسی طرح تاریخ

میں ثبت بھی ہوتے گئے۔ اسلامی دانشوری کی سنہری روایت میں ان کا رول کلیدی رہا ہے۔ تقویٰ، دینداری اور اسلامی اقدار میں انہماک کے ساتھ ساتھ، علوم ومعارف اسلامیہ کے تقریباً ہر شعبہ اور دیگر علوم وآگہی کے مختلف میدانوں میں ان کی نمایاں وقائدانہ خدمات رہی ہیں۔ (حالانکہ شروع کی کئی صدیوں تک ادھر شیعہ خود مصلحتاً اپنی شیعیت کے اظہار سے پہلوتہی کرتے، اُدھر حکومت گزیدہ اندھی بہری، چکاچوندھ کی ماری تاریخ ان سے پہلوتہی کرتی رہی۔ (ایسے میں ان کے کارناموں کا تاریخ تک پہنچ جانا کسی معجزہ سے کم نہیں لگتا۔)

ان سطروں میں شیعہ تاریخ کے امتیازات، خصوصیات، اولیات اور قائدانہ خوبیوں کا اجمالی ذکر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن باذوق متجسس نظروں کے لئے نور ہدایت فاؤنڈیشن، لکھنؤ زیر نظر مجموعہ پیش کر رہا ہے جس سے شیعہ اور شیعیت کی تاریخ کی ایک جھلک اودھ کے خصوصی حوالہ کے ساتھ سامنے ضرور آجائے گی۔ شیعہ اور شیعیت کی تاریخ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء–۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء) جیسے نابغہ روزگار عالم وفقیہ، تاریخ نگار، فاضل اہل قلم نے سپرد قرطاس کیا ہے، جب کہ اودھ میں شیعوں کی تاریخ ایک دوسرے فاضل مصنف مولانا سید محمد باقر شمسؔ لکھنوی کی تحریر ہے۔ سید العلماء کی ہستی کسی بھی طرح محتاج تعارف نہیں ہے لیکن پاکستان چلے جانے کے سبب عام ہندوستانی فضا میں شمسؔ لکھنوی کی شہرت وہ نہیں جو ہونا چاہئے تھی۔ لہٰذا چند سطریں بطور تعارف حاضر ہیں۔

شمسؔ لکھنوی بھی خاندان اجتہاد کے قابل فخر فرزند ہیں۔ ۲۳؍رجب ۱۳۲۷ھ سہ شنبہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۹ء کو مطلع شہود پر طلوع ہونے والے شمسؔ ماں باپ دونوں کی طرف سے خاندان اجتہاد سے وابستگی رکھتے ہیں۔ ان کے والد مولانا سید سبط حسین نقوی جائسی (۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء–۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) ہیں۔ انھوں نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ ضلع جونپور کے ایک اسکول میں اردو فارسی کے استاد ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ وہاں بھی اسی پیشہ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۷۶ء میں سبکدوش ہوگئے۔

مذہب، زبان وادب اور تاریخ کے میدان میں شمسؔ لکھنوی کے تحقیقی وتنقیدی افادات انتہائی قابل قدر ہیں۔ وہ لکھنؤ کی تاریخ اور لکھنو کے شعر وادب اور زبان کے متخصص ہیں۔ ان کے قلمی مجاہدات میں تاریخ لکھنؤ، لکھنؤ کی تہذیب، فلسفۂ خیام، لکھنؤ کی شاعری، شعور شاعری، انتخاب دیوانِ جاویدؔ شامل ہیں۔ ان کی زبان لکھنوی، نظر تنقیدی، قلم تحقیقی ہے۔

زیر نظر مجموعہ سے اودھ کے خصوصی حوالہ کے ساتھ شیعیت کی تاریخ کا ایک طائرانہ نظری خاکہ ابھر سکتا ہے۔ لیکن اس میں ایک درمیانی خلا ضرور ہے جو کسی بھی سنجیدہ نظر کو کھٹک سکتا ہے، کیونکہ اودھ نوابی عہد سے ہی شیعیت سے متعارف نہ ہوا تھا بلکہ یہاں شیعیت کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ مغل دور میں بھی شیعیت قابل ذکر تھی۔ محل میں؛ اراکین سلطنت میں شیعہ عنصر اہمیت حاصل کرچکا تھا، یہاں تک کہ عوام میں شیعہ عقائد آج کے مورخ کے کھلنے کی حد تک سرایت کرچکے تھے۔ آخر میں تو شیعہ 'بادشاہ گر' تک ہوگئے تھے۔ مغل سلطنت کے قیام سے پہلے جنوبی ہند میں مستحکم شیعہ سلطنتیں بن چکی تھیں۔ بہرحال اس قسم کے تکملہ کی توقع اس تبرکی مجموعہ سے نہیں کی جاسکتی، نہ ہی اسے اس پیش کش کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں مستقل جامع تحقیقی وتدوینی کاوش کا انتظار کرنا ہوگا جو وقت کی ضرورت بھی ہے۔

م۔ر۔عابد
مقبرہ عالیہ، گولہ گنج، لکھنو

تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ

از قلم

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء

سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَآئِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ اٰلِہِ الطَّاہِرِیۡنَ ط

شیعیت کا ابتدائی دور

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی تاہم نمایاں طور پر تین آدمی اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے ہوئے محسوس ہوتے تھے یہ سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ تھے جو شیعہ کے لقب سے خصوصیت کے ساتھ ملقب ہوئے۔ یہی وہ اشخاص تھے جو وفات پیغمبرؐ خدا کے بعد اس وقت جب کہ ایک دنیا سیاسی رو میں بہہ کر اہلبیتؑ سے کنارہ کش ہوگئی تھی، ایک لمحہ کے لئے بھی رسولؐ اور اہلبیتؑ رسول کی وفاداری سے منحرف نہیں ہوئے اور پیغمبرؐ خدا سے کئے ہوئے اس معاہدہ پر برقرار رہے جو غدیر خم میں ولایت حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے اقرار کے بارے میں ہو چکا تھا۔ ان کی استقامت کے اثر سے چند اشخاص نے اور اس مسلک کو حق سمجھتے ہوئے اس سے وابستگی اختیار کی۔ ان ہی میں سے بارہ[۱۲] آدمی وہ تھے جنھوں نے جمعہ کے دن مسجد رسولؐ میں امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے حق خلافت کے ثبوت میں تقریریں کیں اور اکثریت کے ساختہ و پرداختہ (Self-proclaimed & Self-styled) نظام حکومت کے مقابلہ میں احتجاج کیا۔

ان میں مذکورہ بالا تین بزرگواروں کے علاوہ مہاجرین میں سے عمار بن یاسر، انصار میں سے ابی بن کعب اور خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین اور تاریخی لحاظ سے قابل تعجب امر ہے کہ بنی امیہ میں سے خالد بن سعید بن عاص بھی تھے۔ باقی مہاجرین و انصار میں سے دوسرے اشخاص تھے۔

قبائل عرب میں سے جن کا نام ''مرتدّین'' رکھا گیا اور ان پر منعِ زکوٰۃ (Denying Zakat) کا الزام عائد کر کے ان کے قتل و غارت کو فرض سمجھا گیا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کا جرم بس یہی تھا کہ وہ اس نظام حکومت کو جو پیغمبرؐ خدا کے اعلانات کے خلاف قائم ہوا تھا، قبول نہیں کرتے تھے اور اس طرح تشیع کے مرقع میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خون کی رنگینی بھی اسی دور سے شروع ہوگئی۔

شیعیت کا تدریجی ارتقاء

رفتہ رفتہ کچھ امتداد زمانہ سے سیاست کا نشہ اُترنے کی وجہ سے، کچھ مذکورۂ بالا افراد سے

تبادلۂ خیالات (Exchange of views) کے نتیجہ میں اور کچھ حکومت وقت کی ناانصافیوں اور بے ضابطگیوں (Injustices & abuses uiolating law) کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے افراد نقطۂ حقیقت کے قریب آتے گئے اور خلافت عثمان میں حکومت کی اقربا پروری (بھائی بھتیجہ واد/Nepotism) کی پالیسی نے اس رجحان کو تقویت دی۔

عثمان کی مخالفت کرنے والے اگرچہ زیادہ تر ان ہی سیاسی وجوہ سے ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے تھے، مگر کچھ افراد ان کے ساتھ ایسے بھی شریک ضرور تھے جو شیعہ اہلبیتؑ ہونے کی وجہ سے اس نظام حکومت کو ہی غلط سمجھے ہوئے تھے۔ ان میں نمایاں افراد عمار بن یاسر، محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر تھے۔ ۳۵ھ میں حضرت امیرؑ ظاہری طور پر منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو بنی اُمیہ کے مقابلہ میں جنھوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ سب شیعۂ علیؑ کہے جاتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ قریب سے جناب امیرؑ کے کمالات کو دیکھ کر اور آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر صحیح معنی میں بھی شیعہ ہو گئے۔ عمار یاسر اور مالک اشتر کے ذریعہ عراق میں شیعیت آئی۔ اور محمد بن ابی بکر کے ذریعہ سے مصر (Egypt) شیعیت سے روشناس ہوا۔ یمن کو حضرت علیؑ سے پہلے ہی اس لئے خصوصیت حاصل تھی کہ وہ آپ ہی کی پُرامن تبلیغ کے ذریعہ دولت اسلام سے مالا مال ہوا تھا۔ جناب ابوذر غفاری کے ذریعہ جنھوں نے خلیفۂ ثالث کے دور میں شام (Syria) کے اطراف میں دورہ کیا تھا شام کے پہاڑی صوبہ جبل عامل* کے شہروں میں تشیع کا شیوع ہوا۔

اس دور کے ایسے افراد شیعہ جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے مالک اشتر، سعید بن قیس ہمدانی، قیس بن سعد بن عبادہ، حجر بن عدی، عمرو بن حمق خزاعی اور عبداللہ بن بذیل بن ورقاء خزاعی وغیرہ تھے جو جہاد بالسّیف کے بھی بڑے مرد میدان تھے۔

ان کے علاوہ ایسے افراد جو علم و معرفت میں جناب امیرالمومنینؑ سے استفادہ کر کے بڑے درجوں پر فائز ہوئے کمیل ابن زیاد، میثم تمار اور رشید ہجری وغیرہ تھے۔ جناب امیرؑ کے روحانی فیوض آپ کی اولاد طاہرین کے علاوہ ان حضرات کے ذریعہ سے پھیلے۔ علوم تفسیر وفقہ وفرائض وغیرہ میں عبداللہ بن عباس نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور علوم لسان (Linguistie sciences) میں ابوالاسود دئلی

* اب لبنان میں

آپ کے خاص شاگرد تھے جنھوں نے قرآن مجید پر نقطے لگائے اور اعراب دیئے۔ ان کی اس خدمت سے عالم اسلامی قیامت تک ان کا ممنون احسان رہے گا۔

ادوارِ ابتلاء اور ان کا ردّ عمل

تحکیم (Arbitration) کے بعد حکومت شام کے اقتدار میں اضافہ ہو گیا اور امام حسنؑ کی مصالحت کے بعد معاویہ شاہی تمام عالم اسلامی پر چھا گئی۔ یہ دور شیعیت کے لئے بہت ناساز گار تھا حجر بن عدی اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ عمر بن الحمق کا سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا۔ حضرمیین کا قتل وغارت کیا گیا۔ زیاد ابن ابیہ، سمرہ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ نے ہزاروں شیعیان علی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ۶۰ھ تک یہی عالم رہا۔

اس وقت پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ عالم اسلامی میں جماعت شیعہ بھی کوئی وجود رکھتی ہے مگر ۶۱ھ میں جب کربلا میں حسینؑ بن علیؑ نے کارگاہ قربانی مرتب کی تو دنیا نے شیعیت کی حقیقی طاقت اپنی آنکھوں سے ان بہتر کی شکل میں دیکھی جن کے ایسے مخلص اور ثابت قدم اس کے پہلے کبھی دس بھی یکجا نظر نہ آئے تھے۔ اس کے پہلے پندرہ بیس برس کی مدت تک کسی کو ہمت نہ تھی کہ وہ اہلبیت کے فضائل کا اعلان کر سکے مگر شہادت حسینؑ نے جرأت اظہار کو وہ تقویت پہنچائی کہ سلیمان بن صرد خزاعی کے ساتھ ہزاروں آدمی سر سے کفن باندھ کر میدان میں آ گئے۔ پھر مختار کے مجاہدات میں جو خون حسینؑ کے انتقام کے لئے تھے شیعیت نے کھل کر اپنی زندگی کا ثبوت دیا۔ اگرچہ سلطنت کی بے پناہ طاقتوں نے ان زندگیوں کا گلا گھونٹ دیا مگر وہ روح مردہ نہیں ہوئی اور آخر اسی نے سلطنت بنی امیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بنی عباس نے اسی شیعیت کے زیر سایہ اپنی سلطنت قائم کی۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے حصول اقتدار کے بعد بدعہدی سے کام لیا اور اولاد علیؑ بن ابی طالبؑ سے اپنے سوتیلے پن کی عداوت کا ثبوت دیا۔ شیعہ وزیر ابوسلمہ خلال کو قتل کیا اور ابومسلم اصفہانی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ اور سادات پر ایسے مسلسل مظالم ڈھائے جیسے مظالم ڈھانے کا بنی امیہ کو بھی اس تسلسل کے ساتھ موقع نہیں ملا تھا۔

بے شک بنی امیہ کی سلطنت کے اضمحلال اور عباسیہ حکومت کے استحکام کے درمیانی وقفہ میں حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے دور میں ذرا تعلیمات اہلبیتؑ کی اشاعت اور اپنے علمی ذخیرہ کے کسی حد تک تحفظ اور اپنے مذہبی عقائد واحکام کی تدوین کا افراد شیعہ کو موقع ملا۔ اس دور میں

مسائل امامت وغیرہ پر مناظرات بھی ہونے لگے تھے اور ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، قیس، ماصر، مومن الطاق وغیرہ کلامی مسائل پر جہاد باللسان (زبان سے جہاد) کا فرض انجام دے رہے تھے زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم اور ابوبصیر وغیرہ حفظ احکام شریعت کا، اسمٰعیل حمیری اپنی شاعری سے نشر فضائل اہلبیتؑ کا بیڑا اُٹھائے ہوئے تھے اور جابر بن حیّان طرسوسی علوم عقلیہ اور ابان بن تغلب لسانیات (Linguistics) میں شیعی ثقافت (Culture) کا سکہ بٹھارہے تھے۔

۱۵۰ھ کے بعد بنی عباس کی سلطنت کا تشدد بہت بڑھ گیا اس حد تک کہ شیعہ علماء اپنے امام عصر حضرت موسیٰ کاظمؑ کا بسا اوقات نام بھی نہ لے سکتے تھے اور الرجل الصالح وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے تھے مگر اس کے بعد مامون الرشید نے سیاسی اسباب کے تقاضوں سے امام رضاؑ کو ولی عہدی دے کر ایک موقع پھر شیعیت کے نمودار ہونے کا پیدا کر دیا۔

ایران پہلے ہی جناب شہر بانو دختر یزدجرد شاہ ایران کے زوجۂ حضرت امام حسینؑ اور والدۂ امام زین العابدینؑ ہونے کی وجہ سے شیعیت سے مانوس ہو چکا تھا۔ اب امام رضاؑ کے خراسان میں قیام نے اسے معارف اہلبیتؑ سے مزید تعارف کا موقع پیدا کر دیا۔

اگرچہ مامون نے پھر اپنی سیاسی غلطی تصور کر کے امام رضاؑ کو زہر دے دیا مگر وہ اثرات جو آپ کے قیام خراسان سے پیدا ہو گئے تھے، مٹائے مٹ نہیں سکتے تھے۔ اسی کے نتیجہ میں قم علوم اہلبیتؑ کا ایران میں ایک بڑا مرکز بن گیا۔

اب شیعیت اتنی پھیل گئی تھی کہ اس کے فنا ہونے کے بظاہر اسباب کا بھی کوئی سوال باقی نہ رہا تھا، پھر بھی حکومت عباسیہ کا تشدد مامون کے بعد پھر بڑھ گیا۔ شیعیت کی ترقی جتنی نمایاں ہوتی جاتی تھی، حکومت کی طرف سے اس کے خلاف مظالم اتنے ہی بڑھتے جاتے تھے۔ اب یہ تیسری صدی کا درمیانی حصہ تھا جس میں متوکل نے محسوس کیا کہ شیعیت کی طرف جذب کا مرکزی نقطہ شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کی ذات ہے مگر اب اس وقت حسینؑ تو سامنے نہ تھے کہ ان کے خلاف فوج کشی کی جاتی لہٰذا قبر امام حسینؑ کے مٹانے کی جدوجہد کی گئی اور زیارت امام حسینؑ کے روکنے کی کوشش کی گئی مگر شمع حسینی کے پروانوں نے ہاتھ کٹوائے، پیر کٹوائے، گردنیں قلم کروائیں، اور اس کے باوجود زیارت سے باز نہ آئے، نہ قدرت نے قبر حسینؑ کے نشان کو مٹانے کی کوشش کامیاب ہونے دی بلکہ درمیان میں مظالم کے بند (باندھ) جذبہ حسینی کو روکنے کی کوشش کے بعد جب کمزور ہو کر ٹوٹتے تھے، تو وہ نئ

قوت اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ طوفانی شکل میں آگے بڑھتا تھا۔ بغداد میں امام موسیٰ کاظمؑ اور امام محمد تقیؑ کا قید ہونا اور سامرہ میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی نظر بندی اور محبوس ہونا عراق میں شیعیت کے فروغ کا باعث ہو گیا۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری میں ایران کے مرکز شیعیت قم کے علاوہ خود حکومت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد میں شیعیت کا ایک مرکز موجود تھا۔ بارہویں امامؑ کے چاروں مخصوص نائب (مع وکلائے اربعہ) اسی بغداد میں تھے اور شیعی علم حدیث کی سب سے پہلی اور سب سے مستند کتاب کافی اسی بغداد میں لکھی گئی۔

مراکز علمیہ

اس کے بعد شیعیت کے دو علمی مرکز مستقل تھے ایک قم جس کے آخری ممتاز نمائندے شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی تھے اور دوسرے عراق میں بغداد و کاظمین۔ رفتہ رفتہ عراق کے مرکز نے اتنی قوت حاصل کی کہ قم اس کے مقابلہ میں ماند پڑ گیا۔ پانچویں صدی میں بغداد ہی خاص مرکز شیعیت ہو گیا۔

شیعی سلطنتیں

اس وقت دنیا میں شیعی سلطنتیں بھی قائم ہو گئی تھیں ایران و عراق میں سلاطین آل بویہ بہاء الدولہ، عزالدولہ اور سب سے بڑھ کر عضدالدولہ دیلمی اپنا سکہ چلا رہے تھے۔ حلب میں آل حمدان جن میں مشہور حکمران سیف الدولہ تھا اور مصر میں فاطمی سلطنت جس کی یادگار جامع ازہر کی ایسی عظیم یونیورسٹی کی شکل میں جب سے اب تک قائم ہے۔ یہی دور وہ تھا جس میں بغداد میں پہلی بار عشرۂ محرم میں علانیہ عزاداری ہوئی اور سب سے پہلا ماتمی جلوس نکلا اور مصر کے مناروں سے حَیَّ عَلیٰ خَیرِ الْعَمَلْ اور اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیاً وَلِیُ اللّٰہِ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ دار السلطنت بغداد میں شیخ مفید، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید رضی کے ایسے علماء پیدا ہوئے جن کے حلقۂ درس سے ہزاروں طلاب مستفید ہوتے تھے۔

نجف میں علمی مرکز کا قیام

اس شیعیت کی ترقی سے مخالف عناصر کا ''فعل در آتش'' (آگ بگولا) ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ پانچویں صدی کے وسط میں بغداد میں محلۂ کرخ کے شیعوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ اتنے شیعہ قتل

کئے گئے کہ کئی دن تک دجلہ (Tigris River) کا پانی دور تک خون سے رنگین رہا۔ شیخ الطائفہ شیخ طوسی رحمہ اللہ جو اس وقت تک بغداد میں مقیم تھے ان کی درسگاہ اور مسجد پر حملہ کیا گیا۔ وہ منبر جس پر بیٹھ کر وہ درس کہتے تھے آگ سے جلا دیا گیا جس کے نتیجہ میں انھوں نے بغداد سے نجف اشرف کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد نجف مرکز علم ہوگیا۔

مخالف حکومت کا زوال اور شیعیت کی عظیم فتح

شیعوں کے اس قتل عام کا نتیجہ مخالف جماعت کے لئے اچھا نہیں ہوا۔ سلطنت بنی عباس میں ضعف پیدا ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد تاتاریوں کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

لطف یہ ہے کہ عین اس وقت جب تاتاری حکومت جمہور مسلمین کی خلافت کے پرخچے اُڑا کر مادی حیثیت سے فاتح بنی ہوئی تھی وہ روحانی طور پر شیعیت سے مفتوح ہوگئی، اس طرح کہ اُسی ہلاکو کی نسل میں سلطان الجائتو خدا بندہ نے تمام مذاہب وملل کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا اور فرق اسلام (اسلامی فرقوں) میں اپنے سامنے مناظرہ کرا کے مذہب شیعہ کی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

ایک اور علمی مرکز

اب عراق میں ایک اور شیعی مرکز حلہ میں قائم تھا جہاں سے فقہ کی وہ کتاب جس پر آج تک دارومدار ہے یعنی شرائع الاسلام تصنیف ہوئی۔ پھر علامۂ حلی، ان کے بیٹے اور فخر المحققین اور ابن فہد حلی ایسے علماء پیدا ہوئے۔

ایران اور ہندوستان میں شیعیت کا فروغ

دسویں صدی میں شیعیت کا اثر اتنا بڑھا کہ ہندوستان میں شیعی سلطنت قائم ہوگئی۔ دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی اور نیز احمد نگر میں شیعیت نے قدم جما لیے۔

غیر شیعی سلطنت مغلیہ میں بھی بیرم خاں، مولانا ابوالفتح فیضی، ابوالفضل اور قاضی نوراللہ شوستری ایسے ملت شیعہ کے ممتاز اشخاص اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ اور ایران میں صفوی سلاطین نے تمام مملکت کو شیعی رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ وہاں غیر شیعی عنصر کی پیداوار ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ یہ وہ ان کی فتح ہے جو تاریخ عالم میں یادگار ہے اور جو ظلم وتشدد کا نتیجہ فطرۃً ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تبدیلی ذہنیت کبھی تلوار کے وسیلہ سے ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں شیعہ سلطنتیں عرب میں یمن، عجم میں ایران اور ہندوستان میں دکن میں قائم تھیں۔ اودھ میں جونپور سلاطین شرقیہ کی وجہ سے مرکز شیعیت بنا ہوا تھا اور علمائے شیعہ میں سے ایران میں علامہ مجلسی نے شیعیت کی وہ خدمت انجام دی جو اپنی نوعیت میں بے مثال تھی۔

بارہویں صدی میں جونپور کی کمی کو فیض آباد نے پورا کیا اور تیرہویں صدی کا آغاز ہوتے ہوئے جب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ نے عراق سے تکمیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ کو مستقر بنایا تو ان کی اور ان کی نسل کے اکابر علماء کی زیر ہدایت سلاطین اودھ نے شیعیت کی وہ ابدی خدمت انجام دی جس کے آثار اب تک جیتی جاگتی شکل میں موجود ہیں۔

۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ کو ہندوستان میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت جناب غفران مآبؒ کی اقتداء میں لکھنؤ ہی میں ہوئی اور ۲۷/رجب ۱۲۰۰ھ میں سب سے پہلی نماز جمعہ منعقد ہوئی۔ اس دور میں غفران مآبؒ نے شیعہ علم کلام کی سب سے بڑی کتاب ''عماد الاسلام'' لکھی۔ اسی صدی کے وسط میں عراق میں شیعہ فقہ کی سب سے بڑی کتاب ''جواہر الکلام'' لکھی گئی۔ اور اسی کے بعد اصول فقہ کی اہم ترین کتاب ''رسائل'' تصنیف ہوئی۔

اب سلطنت اودھ کے علاوہ شیعوں کی کئی حکومتیں بنگال میں قائم تھیں اور سندھ میں تالپر خاندان کی حیدرآباد اور خیر پور میں حکومت تھی۔ چودھویں صدی کے آتے آتے اگرچہ حکومت اودھ ختم ہوگئی مگر خودمختار ریاستیں رام پور، مرشد آباد، بیگن پلی، کھمبات اور خیر پور سندھ وغیرہ پھر بھی قائم رہیں۔ اب تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی تمام ریاستوں کے ساتھ سوا خیر پور کے جو پاکستان میں ہے، ملک کی شیعہ ریاستیں بھی ختم ہوگئیں، تاہم اثرات ان کے برقرار ہیں۔ یمن اور ایران کی شیعہ سلطنتیں اب بھی بحمد اللہ موجود ہیں اور علمی مراکز ایران میں قم، عراق میں نجف اشرف اور ہندوستان میں لکھنؤ کسی نہ کسی حالت میں اب بھی قائم ہیں۔ اس کے علاوہ کم ایسی جگہیں ہوں گی جہاں مسلمان ہوں اور وہاں فرقۂ شیعہ کے افراد موجود نہ ہوں۔

یہ ہے اس شیعہ قوم کی مختصر تاریخ جس کے مٹانے کے لئے سلطنتوں کی طاقت صرف ہوتی رہی مگر وہ اپنی حقانیت اور حسینی قربانی کی بدولت دنیا میں اس صورت سے لازوال حیات کی مالک ہے۔

مذہب شیعہ ایک نظر میں

از قلم

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء

سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ۔

شیعیت کیا ہے؟

دین اسلام کو اس کے تمام نظری (Theoretical) اور عملی (Practical) تقاضوں کے ساتھ اختیار کرنا۔

اسلام کے معنی ایک ''سر نہادن بطاعت'' (Submission to obedience) کے ہیں اور دوسرے ''سپردن'' (To surrender) — یہ دونوں باتیں کس کے لئے؟ اللہ کے لئے۔ اسی کو دوسری لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جس کے لئے حاکم اور اس کے مرتب کردہ نظام کی معرفت ضروری ہے۔ یہ ''اصول دین'' ہیں۔ اور پھر اس نظام کے قواعد وضوابط کو معلوم کر کے ان پر عمل ہے۔ یہ پابندی شریعت ہے جس کے خاص ارکان کو ''فروعِ دین'' کہتے ہیں۔

یہ عقائد وہ ہیں جو عمل کا احساس پیدا کرتے ہیں اور اعمال وہ ہیں جو عقیدہ پر جلا کرتے ہیں۔

جامع لفظ سے تعبیر کرنا چاہیں تو برابر کے دو جزء ہیں۔ ''حق شناسی'' و ''فرض شناسی''۔ اسی کو وسعت دی جائے تو عقائد و اعمال کی پوری دنیا آجائے اور انہی کے ماننے اور برتنے کا نام ہوگا ''حقیقی اسلام'' اور ''شیعیت''، جس کی تفصیل مجمل طور پر یہ ہے:-

اصول دین

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوّت (۴) امامت (۵) معاد

اب ان میں سے ہر ایک کی کسی حد تک تشریح پر نظر ڈالئے۔

توحید

یہ ایک جامع عنوان ہے جس کے تحت میں حسبِ ذیل حقیقتیں مضمر ہیں:-

(۱) حدوثِ عالم— یعنی دنیا اور اس کی ہر چیز نابود تھی۔ ہوا، پانی، آگ، زمین، چاند، سورج اور سیارے، کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو ہمیشہ موجود ہو اور وہ چھوٹے چھوٹے ذرّے بھی جن سے اس تمام دنیا میں مختلف شکلیں نمودار ہوتی ہیں وہ بھی قدیم یعنی ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ ان میں حرکت موجود ہے اور حرکت کا ہونا خود زوال اور تغیر کی نشانی ہے۔

(۲) خالق کا وجود— جب یہ تمام کائنات ہمیشہ سے وجود نہیں رکھتی تو ضرور اس کا کوئی وجود میں لانے والا ہے، اسی کو خالق کہتے ہیں۔

(۳) خالقِ کل— جو ہے وہ سراسر ''ہستی'' ہے اس لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ بھی اسی دنیا کا جزء ہو اور اس کے واسطے بھی کسی پیدا کرنے والے کی ضرورت ہو۔

(۴) خالق نے اس دنیا کو ارادہ و اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے کہ اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور ایک خاص انتظام نظر آتا ہے جو کسی بے شعور اور بے حس قوت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

(۵) کمال ذات مستغنی از صفات— یعنی خدا کو سراسر ''ہستی'' (Being) ماننے ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کی ذات ہر حیثیت سے کامل ہو کیونکہ نقائص اور خرابیاں سب ''نیستی'' کے پہلو سے پیدا ہوتی ہیں اور خدا کی ذات میں نیستی کا گزر نہیں۔ تمام صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا خلاصہ اتنا ہی ہے، نہ یہ کہ اس میں علاوہ ذات کے نو صفتیں ہوں اور خدا ذات اور صفات کے مجموعہ کا نام ہو جس طرح عیسائی اسے ایک ہوتے ہوئے تین مانتے ہیں۔ یہ تصور، توحید خالق کے خلاف ہے اور تعلیم اہلبیتؑ کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

(۶) کمالِ ذات کے تقاضے جنھیں صفات ثبوتیہ کہا جاتا ہے،

–۱ **قدیم** یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ کوئی اس کی ذات سے جداگانہ صفت نہیں ہے بلکہ اس کے سراسر ''ہستی'' (Being) ہونے ہی کا تقاضا ہے کہ وہ ''واجب الوجود'' ہو یعنی اس کی ذات کے لئے ''نیستی'' (Non-Existence) ممکن ہی نہ ہو اور جو واجب الوجود ہو وہ ضرور

اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ''قدیم'' ہی کی لفظ سے یاد کیا جائے گا کیونکہ ''حادث'' تو وہ ہوتا ہے جو ''نیستی'' کے بعد ''ہست'' (Exist) ہوا ہو اور یہ وہی ہوگا جس کی ذات سے ''ہستی'' الگ ہو مگر جہاں ''ہستی'' ذات سے جدا ہو ہی نہ، اس میں نیستی کا شائبہ کہاں ممکن ہے لہٰذا اسے یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

–۲ **قادر** یعنی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے اور کسی امر میں بے بس نہیں کیونکہ عاجزی نقص ہے اور قدرت کمال اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ اس کی ذات کامل ہی کامل ہے، ناقص نہیں ہے۔

بے شک محال یعنی غیر ممکن چیزوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے خدا کی قدرت کا تعلق ہو لیکن اس سے خدا کی ذات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

–۳ **عالم** یعنی وہ ہر شے کا جاننے والا ہے اس لئے کہ جہالت نقص ہے اور خدا کی ذات ہر نقص سے بری ہے۔

چھوٹی سے چھوٹی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی بات ہر ایک خداوندِ عالم کے علم میں ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اس کے علم میں کبھی تغیر نہیں ہوتا اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی امر کے پہلے نہ جانتا ہو، پھر اس سے واقف ہوا اور اس لئے اس کے افعال میں ندامت اور پشیمانی کا گزر نہیں ہے۔

–۴ وہ قدرت اور علم کا مالک ہے۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

–۵ اس کے صفات ثبوتیہ میں **مدرک** ہونا بھی ہے۔ اس کے معنی صحیح طور پر یہی ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا جو احساس (Senses) سے متعلق ہیں، جاننے والا ہے۔ جس طرح مسموعات یعنی آوازوں کے جاننے کی بناء پر سمیع اور مُبصَرات یعنی دیکھنے کی چیزوں کو جاننے سے بصیر ہے۔ یہ عالم ہونے کے مفہوم کے شعبے ہیں۔ الگ الگ صفتیں نہیں ہیں۔ نہ یہ سمجھنا صحیح ہے کہ خدا کے جسمانی طور پر آنکھ اور کان ہیں جن سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

–۶ قدرت کو علم مصالح کے مطابق صرف کرنے کی بناء پر وہ مُرید (Willful) ہے یعنی ارادہ کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کارہ ہے یعنی جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔

–۷ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ زبان و دہن سے کلام کرتا ہو بلکہ اپنی قدرت سے اپنے علم کے مطابق جب چاہتا ہے اپنی طرف نسبت کے ساتھ کلام پیدا کر دیتا ہے۔

۸۔ نقائص سے کلیتہً بری ہونا۔ اس کے تحت میں جو کچھ باتیں آئیں انھیں صفات سلبیہ سمجھنا چاہئے۔ اس میں چند باتیں جو خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کی ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ یہ اصل توحید ہے، اس کا ثبوت اسی سے ظاہر ہے کہ خدا کامل ''وجود'' ہے۔ اگر اس کے ساتھ دوسرے کی ضرورت ہو تو وہ کامل نہ رہے گا، ناقص ہو جائے گا۔

اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دو کی طاقت کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہیں ہے تو دوسرا بیکار محض ہے اور اگر زیادہ ہے تو ہر ایک ناقص اور محدود ہے اور خدائی کے قابل نہیں ہے۔

۲۔ خدا مرکّب (Compound) نہیں ہے یعنی اس کے اجزاء (Components) نہیں پائے جاتے کیونکہ اس صورت میں وہ ان اجزاء کا محتاج ہوگا اور اجزاء اس سے مقدم ہوں گے۔ لہٰذا وہ سب کا پیدا کرنے والا نہیں قرار پا سکے گا۔

۳۔ خدا جسمیّت نہیں رکھتا کیونکہ ہر جسم کا مرکب ہونا ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ خدا مرکب نہیں ہے۔

۴۔ خدا کسی مکان اور سمت میں نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محدود (Limited) ہو جائے گا اور محتاج (Needy) قرار پائے گا اور اس کی ذات پابندی (Binding) واحتیاج (Need) سے بری ہے۔

۵۔ حلول واتحاد نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسرے میں ہو کر پائی جائے اس طرح کہ اس کی صفت بن جائے جیسے رنگ وبو پھول میں یا دو چیزیں اس طرح ایک ہو جائیں کہ ایک کی طرف اشارہ عین دوسرے کی طرف اشارہ قرار پائے۔ خدا کی ذات اس سے بالکل بری ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محتاج اور محدود ہو جائے گا اور ناقص کے ساتھ یکساں بلکہ ایک ہو کر خود بھی ناقص ہو جائے گا۔

۶۔ وہ مَرئی نہیں ہے۔ یعنی آنکھوں سے دیکھنا اس کو غیر ممکن ہے کیونکہ آنکھوں سے وہی چیز دیکھی جاتی ہے جو سامنے ہو اور رنگ، شکل رکھنے والا جسم ہو۔

خدا نہ جسم ہے، نہ رنگ وشکل رکھتا ہے۔ نہ کسی خاص سمت میں محدود ہے اس لئے اس کے دیدار کا اعتقاد صحیح نہیں ہے۔

۷۔ اس کی ذات میں تغیرات کا ہونا اور حالتوں میں تبدیلی پیدا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ پیدا ہونے والی حالت اگر کمال ہے تو اس کی ذات سے جدا نہیں ہے اس لئے ہمیشہ سے یہ کمال ثابت ہوگا اور اگر کمال نہیں ہے تو اس کی ذات سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا۔

بے شک اس کے افعال دنیا میں مصالح کے مطابق مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مصلحتوں کی تبدیلی سے ان میں تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہی کو ''بدا'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام تبدیلیوں کا علم اس کو ہمیشہ سے ہوتا ہے اس لئے نہ وہ علم کے تغیر کا سبب ہیں اور نہ پشیمانی وندامت کا نتیجہ۔

۸۔ خدا کی ذات کے علاوہ صفتیں نہیں ہیں اس لئے کہ اگر خدا کی صفتیں ذات کے علاوہ ہوں تو خود ذات کمال سے خالی ہوگی اور صفتوں کی محتاج ہوگی۔ پھر اس کو ان صفتوں سے متصف (Characterized) ہونے کے لئے کسی دوسرے سبب کی ضرورت ہوگی تو خدا کی ہستی اپنے کمال میں غیر کی محتاج ہو جائے گی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غیر اس سے مقدم ہوگا اس طرح توحید کا جو اصل اصول ہے قلع قمع ہو جائے گا۔

عدل

خدا کے افعال سب حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ کوئی برا کام نہیں کرتا اور نہ کسی ضروری کام کو ترک کرتا ہے۔ اس میں حسب ذیل باتیں داخل ہیں:

(۱) دنیا کے تمام افعال بجائے خود یا اچھے ہیں یا برے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی بات کی اچھائی، برائی کو ہماری عقل پورے طور پر نہ سمجھ سکے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقتہً بھی وہ اچھے یا برے نہیں ہیں۔ خدا جو کام کرتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ برا کام وہ کبھی نہیں کرتا۔ خدا ظلم اور ناانصافی سے بری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بندوں کو غیر ممکن باتوں کا حکم دے یا ایسے کام کرے جو بالکل فضول ہوں اور جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام باتیں نقص ہیں اور خدا ہر نقص سے بری ہے۔

(۲) خدا نے انسان کو اس کے افعال میں خود مختار بنایا ہے یعنی وہ جو کچھ کام کرتا ہے اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے۔ بے شک یہ قدرت خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو اس قدرت کو سلب کر لیتا ہے لیکن جب وہ قدرت کو سلب کر لے تو انسان پر ذمہ داری باقی نہیں رہ سکتی۔ یعنی اس صورت میں جو کچھ سرزد ہو اس پر کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ (جیسے پاگل آدمی۔ ناشر)

خدا بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ اچھے کاموں پر وہ انعام عطا کرتا ہے اور برے کاموں پر سزا دیتا ہے۔ اگر اس نے انھیں مجبور پیدا کیا ہو یعنی وہ خود ان کے ہاتھوں سب کچھ کام کراتا ہو تو احکام نافذ کرنا اور جزا و سزا دینا بالکل غلط اور بے بنیاد ہوگا۔ خدا کی ذات ایسے غلط اور بے جا طرزِ عمل سے بری ہے۔

(۳) خدا کو بندوں کے تمام افعال کا علم ہمیشہ سے ہے لیکن اس کا علم ان لوگوں کے افعال کا باعث نہیں ہوتا بلکہ چونکہ یہ لوگ ان افعال کو اپنے اختیار سے کرنے والے ہیں اس لئے خدا کو ان کا علم ہے۔

(۴) خدا کے لئے عدالت کو ضروری قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ظلم یا فعل شر یا عبث پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا کی کامل ذات اور اس کے علم و قدرت کے لئے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ ظلم و فعل شر وغیرہ کا ارتکاب کرے۔ اس لئے ان افعال کا صادر ہونا اس سے بالکل غیر ممکن ہے۔

عقیدۂ توحید و عدل کا انسانی معاشرہ پر اثر

توحید سے عالم انسانیت کو ایک مشترک نقطہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے جو سب کا مرکز قرار پائے۔ ہزار در ہزار نسل، وطن، قوم اور رنگ کے تفرقوں کے باوجود دنیا منسلک ہو جاتی ہے ایک نظام میں اس ایک ہستی کے اقرار سے جو سب کا خالق اور معبود ہے۔

پھر یہ کہ اس سے انسان میں احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ مطلق العنان نہیں ہے۔ اگر سب ذاتی خواہشوں کے غلام ہوتے تو ہر ایک کی طبیعت اور خواہش کے اختلاف سے مقصد اور عمل میں اختلاف پیدا ہو سکتا تھا مگر یہ سب ایک حاکم کے فرماں بردار ہیں اس لئے ان کا آہنگ عمل اور مقصد ایک ہونا چاہئے۔ یہ حاکم کیسا ہے؟ حاضر و ناظر ہے۔ ہر جگہ موجود ہے اور ہر بات کو جانتا ہے۔ اس لئے انسان کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ کوئی بات خلاف قانون بجا نہ لائے، کسی کام کو چوری چھپے کرتے ہوئے مطمئن نہ ہو کہ کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ اسی نے دیکھا ہے جس کے ہاتھ میں جزا و سزا ہے۔

وہ ایک اکیلا ہے۔ کوئی اس کا مد مقابل نہیں۔ اس لئے بس اسی کی رضامندی کی فکر رہنا چاہئے اور اسی کی ناراضگی سے اندیشہ کرنا چاہئے اس کی طاقت ہر ایک سے غالب ہے اس لئے ناحق کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو۔ وہ ہر بات پر قادر ہے اس لئے اپنی ناتوانی سے کبھی ناامید نہ ہو۔

اس عقیدہ سے ایسی انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس میں ہر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و مساوات کا احساس رکھتا ہو اور سب ایک نصب العین پر گامزن ہوں۔ سب اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد اور اُصول میں فنا کر دیں اور سب اپنے واحد حاکم کی رضامندی کے خلوت اور انجمن ہر حالت میں طلبگار رہیں اور کسی وقت قانون کے احترام کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اس جماعت کے افراد میں خودداری ہو کہ وہ کسی مادّی طاقت کے سامنے سر نہ جھکائیں، بلند حوصلگی ہو کہ کسی دشوار مقصد کو ناممکن نہ سمجھیں اور اعتماد ہو جس سے کبھی اپنے دل میں یاس کا گزر نہ ہونے دیں۔

یہی وہ عناصر ترقی ہیں جو مرتبہ اقوام کے شایان شان ہیں۔

عدل کے ماتحت یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کا قانون جو اس کے تمام کاموں میں جاری ہے وہ عدالت ہے لہٰذا وہ بندوں سے بھی انصاف اور عدالت کا طالب ہے۔ اس نے ہمیں ایک امانت دی ہے جس کا نام ''قوتِ اختیار'' ہے ہمیں اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کرنا چاہئے۔

اس عقیدہ سے اس برادری میں جو انسانیت کے حدود میں قائم کی گئی ہے تبادلۂ حقوق اور انصاف و مساوات کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اس برادری کے افراد ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ظلم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر دولت و ثروت یا طاقت و اقتدار میں جو فوقیت نظر آتی ہے، یہ بالکل وقتی ہے اور عارضی، خالق کی نگاہ میں ان سب کے لئے ایک قانون ہے کہ بلندی ان کی کردار سے وابستہ ہے۔ گناہ اگر غریب کرے تو سزا ملے گی اور امیر کرے گا تو سزا پائے گا۔

وہاں اس کی دولت مندی کچھ کام نہ آ سکے گی۔ نہ وہ رشوت دے کر اپنے بچاؤ کا سامان نکال سکے گا۔ اسی طرح اچھا کام اگر امیر کرے گا تو جزا پائے گا اور غریب کرے گا تو جزا پائے گا۔ اس کی غربت اس کی کسمپرسی کا باعث نہ ہوگی۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اپنے اعمال کی جانچ کی ضرورت پڑتی ہے۔ افراط اور تفریط، اسراف اور کنجوسی سب ظلم ہیں اور ہر چیز میں وسط کا نقطہ عدالت کا مرکز ہے۔ انسانی کمالات کی دنیا اسی اعتدال کے نقطہ پر مبنی ہے۔

خدا کو عادل سمجھنا، اس اعتدال کی پابندی کا واحد محرّک (Motive) ہے اور اسی لئے جو اس اعتدال پر قائم رہیں انھیں عادل کہا جاتا ہے اور سچے مسلمان وہی ہیں جو عدالت کی صفت سے ممتاز ہوں۔

نبوّت

اس کے تحت میں حسب ذیل باتیں ہیں:

(۱) انسانی جماعت کو صحیح راستے پر چلانے کے لئے خدا کی جانب سے رہنما اور مصلح مقرر ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے ان کو خداوندی احکام پہنچتے رہیں اور انتظامِ خلق دُرست ہو۔ ان مصلحین کو جو خدا کی طرف سے احکام پہنچانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں نبی اور رسول کہتے ہیں اور انسانوں کی بہبودی کے لئے جو تعلیمات خدا کی طرف سے کسی معلم کے ذریعہ سے آتے ہیں ان تعلیمات کے مجموعہ کو ''شریعت'' کہتے ہیں اور وہ رسولؐ کے ذریعہ سے دنیا کو پہنچتے ہیں۔

(۲) انسانی آبادی کا کوئی خطّہ اور کوئی طبقہ خدا کی جانب سے رہنمائی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اقوام اور بعض ممالک کے متعلق ہم کو صحیح علم نہ ہو کہ ان کی سچی رہنمائی خدا کی طرف سے کن اشخاص سے متعلق تھی لیکن یہ کلّیہ بہرحال صحیح ہے کہ ہر قوم کے لئے خدا کی طرف سے رہنما ضرور قرار دیا گیا ہے۔

(۳) انبیاء یعنی خدا کی طرف سے مقرر شدہ مصلحین عملی حیثیت سے دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اس لئے انھیں گنہگار نہیں ہونا چاہئے اور نہ غلطیوں میں مبتلا ہونا چاہئے۔ نہ بھول چوک میں گناہ کا مرتکب ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہوگا تو ان کے ہاتھوں خلق خدا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگا اور ایسے اشخاص کا جن سے یہ اندیشہ ہو، خدا کی طرف سے مقرر کیا جانا درست نہیں ہے۔

(۴) خدا کی طرف سے مقرر شدہ نبی کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی مخصوص بات ہونا ضروری ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرے اور کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں اس کی مثال پیش نہ کر سکے۔ ایسی غیر معمولی بات کو ''معجزہ'' کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو سچے اور جھوٹے میں کوئی تمیز نہ ہوگی اور ہر شخص نبوت کا دعویٰ آسانی کے ساتھ کر سکے گا۔

(۵) ہمارے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ جو دنیا کے سامنے ہمیشہ کے لئے باقی ہے، قرآن مجید ہے۔ یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی معجزہ تھا اس لئے کہ اس کی فصاحت وبلاغت انسانی طاقت سے بالاتر تھی اور اب بھی معجزہ ہے اور ہمیشہ معجزہ رہے گا۔

(۶) قرآن خدا کا کلام ہے یعنی وہ رسولؐ کی ذاتی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے

ان کے دل پر اُتارا گیا ہے۔ وہ پورا رسولؐ کے زمانہ ہی میں متفرق طور پر لکھ گیا تھا۔ بعد وفات رسولؐ وہ تمام وکمال کتابی صورت میں جمع ہوگیا۔ نہ اس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے اور نہ کمی اور نہ تبدیلی...... ہاں اس کی ترتیب شانِ نزول کے مطابق نہیں ہے۔

(۷) شریعت اسلام اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر زمانہ کے ضروریات کے لئے مکمل حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس شریعت کے بعد کسی شریعت کے آنے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ حضرت محمد مصطفیؐ کے بعد کسی نبی ورسول کے آنے کا محل رہا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ سب سے آخری رسولؐ ہیں اور خود پیغمبرؐ نے بھی بتلایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی ورسول آنے والا نہیں ہے۔

عقیدۂ رسالت کا عملی تقاضا

رسول خدائے احکم الحاکمین کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو رسولؐ کے مقابلہ میں رائے زنی، عقل آرائی اور طبع آزمائی کا حق نہیں ہے، نہ اس کے فیصلے کے بعد کسی چون وچرا کا موقع۔ اس طرح رسولؐ کے اقتدار کے تحت آپس کی طرفداری، جاہ طلبی، خودغرضی، انانیت، جبروت اور نفسانیت سے پیدا شدہ ہر کشمکش کو جو جماعت کے افتراق کا باعث ہوتی ہے، ختم ہوجانا چاہئے اور اسی میں جماعت کی تنظیم اور ترتیب اور تمام افراد کی فرض شناسی کا راز مضمر ہے۔

امامت

چونکہ رسولؐ کی زندگی دارِ دنیا میں محدود ہے اور وہ شریعت جس کی تبلیغ رسولؐ کی زبانی ہوئی ہے اس کی حفاظت اور نیز افراد ملّت کی عملی تربیت اور ان کو احکام شریعت کی صحیح تعلیم دینے کی ضرورت ہے، اس لئے رسولؐ کے بعد آپ کا ایک جانشین ہونا ضروری ہے جو تمام افراد ملت میں پورے طور پر اس رسولؐ کی شریعت اور تعلیم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو۔ یہ جانشین امام ہوتا ہے اور یہی رسولؐ کا واقعی خلیفہ (Successor/उत्तराधिकारी) ہوتا ہے۔ اس جانشین کا انتخاب خدا کی جانب سے پیغمبر خدا ﷺ کے ارشاد پر ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر رسولؐ کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد عام افراد کو ان کی رائے، خواہش اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو مطلق العنانی اور خودغرضی برسرِ کار آجائے گی

جس کا نتیجہ افتراق وانتشار وابتری کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا اور اس طرح جو شیرازہ پیغمبرؐ خدا کی اطاعت مطلقہ کی بنا پر جمع ہوا تھا وہ بکھر جائے گا۔ امامت منصوصہ کا عقیدہ اس اجتماعی انتشار کا سدّ باب ہے۔

اس کے تحت میں حسب ذیل امور ہیں:

(۱) رسولؐ کے بعد بھی خداوندی قانون پر دنیا کو چلانے کے لئے مرکز موجود رہتا ہے۔

(۲) یہ مرکز ایسا ہوگا جو خود قانون پر عمل کا بہترین نمونہ ہو، اس لئے اسے بھی گناہوں اور خطاؤں سے بری ہونا ضروری ہے ورنہ پھر اس کے ہاتھوں خلق خدا کی گمراہی کا امکان ہوگا اور مفادِ امامت ختم ہوجائے گا۔

(۳) اسلام کسی شہنشاہیت کی بنیاد قائم نہیں کرتا بلکہ انسانیت کا نظام بناتا ہے اور ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے جو انسانیت کا صحیح نمونہ ہو اور اس نظام انسانیت کے لئے ایک محافظ قرار دیتا ہے جو تمام انسانوں کا واحد مرکز ہو۔ یہ اپنے زمانہ میں رسولؐ ہیں اور رسولؐ کے بعد ان کے نامزد کردہ (Nominated/नामित) جانشین یعنی امام اور اگر امام براہِ راست راہنمائی کے لئے سامنے نہ ہوں تو ایسے افراد جو ان کے تعلیمات پر زیادہ سے زیادہ مطلع اور عامل ہوں۔

(۴) امام کے مقابلے میں کسی کو حکومت کا حق نہیں ہے اور جو حکومت اس طرح کی قائم ہو وہ حکومت غیر شرعی ہوگی۔

(۵) نظریۂ امامت میں صرف قرابت یعنی رسولؐ سے رشتہ داری کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اصل معیار صفات کی بلندی اور اس کے لحاظ سے خالق کی جانب سے بحیثیت جانشینِ رسولؐ نامزد ہونا ہے اور اسی لئے محبت اہلبیتِ رسولؐ جو نجاتِ آخرت کے لئے ضروری ہے اور بغیر اس کے انسان باایمان نہیں سمجھا جاسکتا یہ انھیں ہستیوں کی محبت ہے جو اپنے کردار کے لحاظ سے ''معصوم'' ہیں اور جنھیں خالق کی طرف سے ہدایتِ خلق اور نیابتِ رسولؐ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

(۶) چونکہ ہدایت خلق اور حفاظت شریعت کا کام مستقل طور پر قائم ہے، اس لئے اس سلسلہ کی کسی فرد کا آخرِ عمر زمانہ تک موجود رہنا ضروری ہے اور جب کہ وہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو تو اسے پردۂ غیبت میں باقی اور برقرار اور اپنے طور پر برسرِ کار ماننا ضروری ہے۔

معاد (Resurrection)

اس کے تحت میں حسب ذیل امور ہیں:

(۱) خدا کی طرف سے بندوں کو ان کے اچھے اور برے افعال کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ جو اچھے کام کریں انھیں جزاء اور جو برے کام کریں اُنھیں سزا ملے گی اس لئے کہ خدا عادل ہے اور عدالت کا تقاضا یہی ہے۔

(۲) جزاء وسزا کے لئے ایک دن مقرر ہے جسے ''قیامت'' کہتے ہیں اس دن سب مرنے والے دوبارہ زندہ ہوں گے تاکہ انھیں جزاء وسزا اعطا کی جائے۔

(۳) جزاء یعنی اچھے کاموں پر جو انعام کا اعلان ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا لیکن گناہوں پر سزا کا جو اعلان ہے وہ صرف استحقاق کا پتہ دیتا ہے۔ یعنی یہ شخص سزا کے قابل ہے لیکن عفو وکرم کے ماتحت ہوسکتا ہے کہ خدا اس سے درگزر کردے۔ اس کا نام ''مغفرتِ ذنوب'' یعنی گناہوں کی بخشش ہے۔

(۴) ان گناہوں کی بخشش کبھی رسولؐ یا ائمہ دینؑ کی بارگاہِ الٰہی میں عرضداشت سے ہوتی ہے۔ اس کو شفاعت کہتے ہیں۔

اصول دین کا خلاصہ یا اصل جوہر

مذکورۂ بالا اصول دین کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو مان کر ایک ایسی قوم کی تشکیل ہوتی ہے جو خدا کی بادشاہت کو تسلیم کرے اور اسی کے ماتحت اس کے مقرر کردہ حاکم (رسولؐ) اور اس کے نائبین (اولوالامر) یعنی ائمہ معصومینؑ کے احکام پر وفاداری کے ساتھ عمل کرے۔ خالق کی عظمت کے مقابلہ میں کسی دنیوی طاقت سے مرعوب نہ ہو اور اس طرح کسی باطل اقتدار کی بیعت کے لئے تیار نہ ہو اور اقتدارِ الٰہی کے مقابلہ میں خود اپنے ذاتی اختیار اور خودرائی سے کبھی کام نہ لے اور اس کے مقرر کردہ مرکز سے منحرف نہ ہو اسی کا نام ہے ''شیعیت'' اور یہی ہے ''حقیقتِ اسلام''۔

اصول دین کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

(۱) خالق کی ذات کو اس کے شایانِ شان کمال کے ساتھ ماننا — اس کا نام **توحید** ہے۔

(۲) خالق کے افعال کو اس کے شایانِ شان حکیمانہ رفعت کے ساتھ ماننا — یہ **عدل** ہے۔

(۳) رہنمایانِ دین کو جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں کامل طور پر کردار کی ہر پستی سے اونچا ماننا — جس

کا نام ''**عصمت**'' ہے۔ یہ نبوت کا لازمی جزء ہے۔

(۴) خالق کی طرف کے رہنمائی کے نظام کو تا قیامت باقی ماننا اور ''حکومت الٰہیہ'' کو اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا—اس کا نام ''**امامت**'' ہے۔

(۵) جزاء وسزا کے لئے اس دورِ زندگی کے اختتام کے بعد ایک دوسرے دورِ حیات کو تسلیم کرنا—اسے **معاد** کہتے ہیں۔

مذہب شیعہ کے خصوصیات

(عقائد کے لحاظ سے)

(۱) تنزیہٗ خالق یعنی خداوند عالم کے کمالِ ذات کے خلاف کسی طرح کے بھی نقص، کسی طرح کی جسمانیت، کسی طرح کی بھی مشابہت کو غیر کے ساتھ گوارا نہ کرنا۔

اسی بناء پر دنیا یا آخرت کسی عالم میں بھی وہ جسمانی آنکھ سے خالق کے دیدار کو صحیح نہیں سمجھتے۔

اس کے لئے ذات کے علاوہ صفات نہیں سمجھتے کیونکہ اس طرح ذات اپنے کمال میں صفات کی محتاج قرار پاتی ہے۔

ذاتِ خالق کے سوا کسی قدیم کا تصور نہیں کرتے مثلاً اگر ذات کے علاوہ اس کے کلام کو بھی قدیم سمجھا جائے یا مزید آٹھ صفتوں کو قدیم سمجھا جائے تو صفتِ قِدَم میں ذاتِ الٰہی کے شریک دوسرے امور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جس طرح تمام ادیانِ عالم میں دین اسلام میں توحید سب سے زیادہ مکمل ہے اسی طرح تمام فرقِ اسلامیہ میں شیعی مذہب کی توحید سب سے زیادہ خالص ہے۔

(۲) عدل الٰہی کو پورے اس کے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جیسا کہ پہلے لکھا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ خالق کے افعال میں کوئی غلط (Wrong) کام، کوئی لغو (Worthless) کام، اور کوئی برا (Evil) کام نہیں ہو سکتا۔

(۳) شیعہ ''حق کو طاقت'' (Right is might) مانتے ہیں، اتنی ہمہ گیری کے ساتھ کہ خالق کے افعال میں بھی سوا حقّانیت اور انصاف کے کسی دوسرے تصور کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہ خیال کہ ''وہ قادر مطلق ہے لہٰذا اس پر کوئی پابندی نہیں'' نتیجہ ہے ''طاقت کو حق'' (might is right) سمجھنے کا جو شہنشاہان خود مختار کی مطلق العنانی کا سنگ بنیاد ہے۔ شیعہ اس تصور کے شروع سے آخر تک خلاف ہیں۔

(۴) شیعہ ''تقدیر'' یا ''مشیئتِ الٰہی'' کے کسی ایسے تصور کو درست نہیں جانتے جو ظالموں اور بدکاروں سے ان کے افعال کی ذمہ داری کو سلب کر دے، اس طرح نہ خالق کے افعال میں شر کا تصور رکھتے ہیں اور نہ دنیا میں کسی شر کے وقوع میں اس کے ارادہ اور عمل کی کارفرمائی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اسی سے ظلم اور ظالموں سے نفرت کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور یہی صحیح معنی میں اُصول ''تبرّا'' کا سنگ بنیاد ہے۔

(۵) شیعہ حسن وقبح (اچھائی اور برائی) کو عقلی جانتے ہیں یعنی شریعت کے احکام سے قطع نظر کرتے ہوئے بجائے خود بھی افعال میں اچھائی اور برائی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے پہلوؤں تک ہمارا ذہن نہ پہنچ سکے مگر ذاتاً ان میں اچھائی یا برائی ہے ضرور اور اسی اچھائی یا برائی کی بناء پر شریعت میں حلال اور حرام کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اندھا دھند جس چیز کو خالق نے چاہا حلال کر دیا اور جسے چاہا حرام کر دیا۔

شیعی مذہب کے اس اصول کی بناء پر عقل انسانی کے لئے شرعی احکام کے فلسفہ تشریع پر غور وخوض کی راہیں کھلتی ہیں اور انسانی بصیرت کو جلا ہوتی ہے۔

(۶) شیعہ حکومت الٰہیہ کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنے کے حامی ہیں۔ اسلام کے معنی ایک ''سر نہادن بطاعت'' کے ہیں اور دوسرے ''سپردن'' کے............ دونوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انسان کا حق خودارادی خواہ شخصی ہو یا جمہوری کوئی چیز نہیں ہے۔ حاکم مطلق صرف اللہ ہے اور جسے وہ اپنا نائب بنائے صرف اس کی اطاعت انسان پر فرض ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا حقِ حکومت نہیں رکھتا اور جو حکومت اس کے مقابلہ پر قائم ہو وہ ناجائز ہے۔

(۷) شیعہ تعلیمات اسلامی اور کتاب وسنت کے علم کے لئے اس مرکز سے وابستہ ہیں جو خود پیغمبر خدا ﷺ کا بتایا ہوا تھا۔ کبھی اس طرح کہ:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقْلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ۔

(میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں، جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔)

کبھی فرمایا:

مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ وَھَویٰ۔

(میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ ہوا وہ غرق ہوا۔)

کبھی فرمایا:

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَأْتِ الْبَابَ۔

(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے تو جو علم کا طلبگار رہو اسے دروازہ پر آنا چاہئے۔)

فرقۂ شیعہ نے رسولؐ اللہ کے بعد جس طرح حکومت کا حقدار صرف انھیں کو سمجھا جن کے لئے خدا اور رسولؐ کا اعلان ہو چکا تھا، اسی طرح دینی تعلیمات کے باب میں بھی صرف انھی کی رہنمائی قبول کی اور وہ انھیں ارشادات کو دینی تعلیم کا سرچشمہ مانتے ہیں جو قرآن، حدیث رسولؐ اور ان اہلبیتؑ معصومینؑ سے پہنچے ہوں جنھیں پیغمبرؐ نے اپنے علوم کا وارث بنایا اور بتایا تھا۔

اسلام کے عملی ارکان اور احکام شرعی

قانون الٰہی کے تحت میں کچھ فرائض مقرر ہیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی درستی کے لئے ضروری ہیں۔ ان میں سے جو بہت اہم حیثیت رکھتے ہیں وہ ''ارکان اسلام'' کہے گئے ہیں جنھیں عام طور پر ''فروع دین'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُصول عقائد کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو شاخوں کو درخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور بغیر ان پر عمل کے اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

قانون الٰہی کو مذہب کی زبان میں ''شریعت'' کہتے ہیں اور جو اس قانون کے تقاضے ہوں انھیں احکام شرعی کہا جاتا ہے۔

ضروریات دین

وہ شرعی احکام جو تمام مسلمانوں میں اس طرح تعلیم شدہ ہیں کہ بچہ بچہ انھیں جانتا ہے اُنھیں ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا واجب ہونا۔ شراب، زنا اور سودخواری کا حرام ہونا بلکہ نماز کی کچھ شرائط اور کچھ کیفیات مثلاً نماز کے لئے طہارت کا ضروری ہونا، قبلہ، شب وروز کی واجب نمازوں کی تعداد، ان کی رکعتیں اور قیام وقعود اور رکوع وسجود کا جزء نماز ہونا وغیرہ۔ یہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں جن کا منکر کافر ہے۔ اس طرح اگر فہرست ضروریات دین کی مرتب کی جائے تو وہ کافی بسیط ہوگی۔

احکام شرع کے ماخذ

احکام شرع حاصل کرنے کے چار ذریعے ہیں:

(۱) **قرآن:** اس میں جن آیات کے معنی ظاہر ہیں انھیں خود سمجھ کر عمل کرنا فرض ہے اور جن کے معنی مجمل یا مبہم ہیں ان کی شرح کو احادیث معصومینؑ سے معلوم کرنا چاہئے۔ اٹکل پچو ان آیتوں میں رائے زنی کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) **حدیث:** یعنی رسولؐ اللہ اور آپ کے جانشین جو امامؑ تھے، ان کے اقوال وافعال۔

(۳) **اجماع:** اس میں عام اشخاص کا کسی بات پر متفق ہونا کوئی چیز نہیں جب تک کسی ذریعے سے یہ یقین نہ ہو جائے کہ امامؑ بھی ان سے متفق ہیں۔ اس کا موجودہ زمانہ میں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔

(۴) **عقل:** یقینی طور پر جو عقل کے فیصلے ہوں جیسے امانتداری کا مستحسن ہونا، خیانت کا فعل قبیح ہونا۔ یہ فیصلے عقل کے بھی مستند ہیں مگر قیاس یعنی ایک چیز کے شرعی حکم سے دوسری چیز کے شرعی حکم کا صرف گمان کی بناء پر اپنے دل سے نکالنا یہ ہمارے نزدیک بے اصل ہے اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اصول عملیّہ

جس چیز کے بارے میں مذکورہ ماخذوں سے کوئی علم حاصل نہ ہوسکے اور اس میں شک ہو، اسے کیا سمجھا جائے اور عملاً کیا کیا جائے؟ اس کے قواعد وضوابط جو مذکورۂ بالا ماخذوں (Sources)

ہی سے حاصل ہوئے ہیں، اصول عملیہ کہلاتے ہیں۔ یہ چار ہیں:

(۱) استصحاب (Convention): یعنی جو بات پہلے ہو، اسے باقی سمجھا جائے جب تک کہ اس میں تبدیلی کے وقوع کا علم نہ ہو۔

(۲) براءت (Non-conpulsion): یعنی جس شے کے متعلق شرع کی جانب سے فعل یا ترک کی پابندی ثابت نہ ہو، اسے جائز سمجھنا چاہئے۔

(۳) احتیاط (Precaution): یعنی جب شرع کی جانب سے وجوب یا حُرمت (واجب یا حرام ہونے) کی پابندی عائد ہونا ثابت ہو مگر پتہ نہ ہو کہ کیا واجب ہے یا کیا حرام ہے یا اس پابندی کے ادا کرنے کے طریقہ میں شک ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ یقینی طور پر انسان بری الذمّہ ہو جائے اور حکمِ مولا کی تعمیل یقینی طور پر ہو جائے۔

(۴) تخییر (Option): جب کہ فعل یا ترک کی پابندی عائد ہونے کا یقین ہو مگر تعین کے ساتھ معلوم نہ ہو اور احتیاط کی کوئی صورت ہو ہی نہ، تو کسی بھی ایک پہلو پر عمل کرنے کا اختیار ہوگا۔

یہ تمام قاعدے جیسا کہ کہا گیا طبع زاد یا خود ساختہ (Self-styled) نہیں ہیں بلکہ انھیں شرع کے ماخذوں سے ثابت ہیں لہٰذا ان پر عمل درحقیقت انھیں شرعی دلائل پر عمل ہے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔

اجتہاد وتقلید

مذکورۂ بالا ماخذوں اور ان سے مستفاد اصول وقواعد سے احکام شرعیہ کو سمجھنے کی کوشش کا نام اجتہاد ہے، نہ کہ دل بخواہ احکام تراشنے کا اور جو لوگ اس طرح احکام کو خود سمجھ سکیں، وہ ''مجتہد'' کہلاتے ہیں اور جو اتنی قابلیت نہیں رکھتے کہ وہ خود اس طرح احکام کو سمجھ سکتے ہوں تو ان کے لئے صحیح طریقہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اپنے بھروسے کے مجتہد کی طرف رجوع کریں اور اس سے مسائل کو دریافت کرکے ان پر عمل کریں۔ اس کا نام ''تقلید'' ہے۔

وہ کوئی پیری مریدی کی طرح کی چیز نہیں ہے، اس لئے نہ مجتہد سے بیعت کرنا ہوتی ہے اور نہ کسی رسم کے ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ مجتہد کو اطلاع تک دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ کا مقلد ہوتا ہوں۔

وہ بس مابین خود وخدا احکام الٰہی پر عمل کرنے کا ایک امکانی ذریعہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

نماز اور اس کے لئے ضروری چیز طہارت

عملی ارکان میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت ضروری ہے۔

نجاسات

طہارت کے لئے سب سے پہلے ضرورت نجاستوں سے علاحدہ رہنے کی ہے جیسے پیشاب، پاخانہ، خون وغیرہ۔ ان میں سے اکثر چیزوں سے آلودگی طبّی حیثیت سے بھی امراض کا سبب ہے لیکن اس نجاست میں اصل دارومدار حکم شرع پر ہے۔ اس حکم شرعی کا باعث یہ طبّی مضرت بھی ہوسکتی ہے اور بسا اوقات دوسری مصلحتیں بھی ہوسکتی ہیں جیسے نفرت پیدا کرنا یا ایسے لوگوں کے میل جول سے روکنا جن سے انسان کے لئے دینی حیثیت سے خطرہ ہے۔

ایک ضمنی مقصد ان تمام چیزوں سے علیٰحدہ رہنے میں صفائی بھی ہے مگر اصل مقصد صرف صفائی نہیں ہے۔ چنانچہ ان نجاسات میں علاوہ ان گندی چیزوں کے جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ ایک نشہ دار سیّال چیز یعنی شراب وغیرہ بھی ہے۔ اس کی نجاست بظاہر اس کی حرمت کو طاقت پہنچانے کے لئے ہے تاکہ انسان اس سے متنفر ہو کہ رغبت نہ کرے۔ فعلِ حرام کی وجہ سے جنابت میں مبتلا ہونے والے کا پسینہ بھی نجس قرار دیا گیا جس سے اس فعل شنیع کی برائی کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے اور اسی طرح غیر مسلمین کی نجاست کا حکم جو فقہِ جعفری کے مخصوصات میں سے ہے۔ یہ عقائد کفریہ سے ذہن کو دور کرنے کا ایک قوی ذریعہ ہے جس کی پابندی تعلیماتِ اہلبیتؑ کے رو سے قطعی طور پر ضروری ہے۔

مُطہّرات (پاک کرنے والی چیزیں)

جب کوئی شے مذکورہ بالا نجاستوں سے نجس ہوجائے تو اس کے پاک کرنے کے لئے سب سے اہم شے پانی ہے۔ یہ عارضی نجاست رکھنے والی ہر شے کا مطہر ہے۔

دوسرے زمین اس کے ذریعہ جوتوں کے تلے، ننگے پیر چلنے والوں کے پیروں کے تلوے۔ گاڑیوں کے پہیے وغیرہ غرض ہر ایسی چیز جو عموماً زمین پر چلتی ہے، اس نجاست سے جو اسی نقل وحرکت میں نجس مقامات پر چلنے سے پیدا ہو پھر اسی نقل وحرکت کے ذیل میں خود بخود پاک ہوتی رہتی ہے۔

تیسرے آفتاب۔ اس کے ذریعہ سے غیر منقولہ (Immovable/अचल) چیزیں جیسے دیوار، در، درخت اور میوہ جو درخت پر ہو۔ وہ اگر بحالت تری نجس ہوں تو دھوپ سے خشک ہو کر پاک ہو جائیں گی۔

یہ مطہرات وہ ہیں جن سے عارضی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور جو اصلی نجاست ہے جیسے پاخانہ، خون، کُتّا، سور اور کافر وغیرہ اس کی اگر نوعیت بالکل بدل جائے اس طرح کہ وہ پہلی شے باقی ہی نہ رہے جیسے جل کر راکھ ہو جائے یا کتّا نمک زار میں گر کر نمک ہو جائے تو اب جو شے وجود میں آئی ہے وہ پاک سمجھی جائے گی۔ اسی طرح کافر اگر مسلمان ہو جائے تو اب نجاستِ کفر اس کی ختم ہو گئی اور وہ مسلمان ہو کر طاہر ہو گیا۔

وہ سیال (Fluid) چیز جو بغیر کسی قید و اضافت کے پانی نہیں کہی جاسکتی، آبِ مضاف کہلاتی ہے۔ اس سے کوئی شے پاک نہیں ہو سکتی اور وہ ذرا سی بھی نجاست کے پڑ جانے سے فوراً نجس ہو جائے گا چاہے کتنا ہی زیادہ ہو، لیکن آبِ مطلق یعنی جو حقیقی معنی میں پانی ہو اس کی کئی قسمیں ہیں:

ایک آب جاری یعنی جس کا کوئی خزانہ (Reserroir) ہے جس سے اس کا اتصال (ملا ہونا) ہے خواہ قدرتی ہو جیسے دریا، چشمہ اور کنواں وغیرہ یا بنایا ہوا ہو جیسے نل کا پانی جو بڑی بڑی ٹنکیوں سے تعلق رکھتا ہے، پانی جب تک برس رہا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ یہ قسم پانی کی نجاست کے اتصال سے اس وقت تک نجس نہیں ہوتی جب تک نجاست سے بو، رنگ یا مزہ اس کا بدل نہ جائے اور اگر تبدیل ہو جائے تو وہ اس وقت تک نجس رہے گا جب تک وہ تبدیلی باقی ہے اور جب وہ تبدیلی ختم ہو جائے تو وہ پانی خود بخود پاک ہو جائے گا۔

دوسرے آب کثیر یعنی ٹھہرا ہوا پانی جو کُر بھر ہو یا اس سے زیادہ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نجس تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ نجاست سے رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، لیکن اگر یہ تبدیلی ہو جائے تو پھر وہ خود سے پاک نہیں ہوگا بلکہ زوالِ تغیر کے علاوہ ایک کُر پانی اس میں ڈالنے کی ضرورت ہوگی۔

تیسرے آب قلیل یعنی کُر سے کم پانی۔ یہ ایک قطرہ نجاست سے بھی نجس ہو جائے گا اور پاک اسی صورت سے ہو سکے گا کہ ایک کُر پانی سے اس کا اتصال ہو۔

نماز میں جسم کا نجاست سے پاک ہونا لازم ہے اور لباس کا بھی سوا ایسے چھوٹے لباس کے

جیسے ازار بند وغیرہ جس سے مرد کے لئے جتنا ستر نماز میں ضروری ہے وہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ سجدہ گاہ یعنی پیشانی کے رکھنے کی جگہ کو طاہر (پاک) ہونا لازم ہے۔

طہارت شرعیہ یعنی رفع حدث

حَدَث ایک قسم کی اندرونی نجاست کا نام ہے۔ اس کے لئے سابقہ نجاستوں سے پاک ہونے کے علاوہ غسل یا وضو کی ضرورت ہوتی ہے جس حَدَث کے دور کرنے کے لئے غسل کی ضرورت ہو، اسے حَدَث اکبر کہتے ہیں اور جس کے دور کرنے کے لئے وضو لازم ہوتا ہے، اسے حَدَثِ اصغر کہتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے غسل یا وضو ممکن نہ ہو تو دونوں صورتوں میں تیمم لازم ہوتا ہے۔

چونکہ عام حالات میں زیادہ تر نماز وضو سے ہوتی ہے لہٰذا پہلے اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

وضو

اگر پیشاب، پاخانہ وغیرہ ہوا ہو یا ہو چکا ہو اور ایسا کوئی امر نہ ہو جس سے غسل واجب ہوتا ہے تو اب نماز کا وقت آنے پر وضو واجب ہوگا۔

وضو کی ترکیب قرآن مجید میں موجود ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَيْنِ۔

(جب نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور مسح کرو اپنے سروں کا اور پیروں کا گٹوں تک۔)

اس میں صاف پیروں کا ذکر سر کے بعد مسح کے تحت میں ہوا ہے اس سے پیروں کا مسح کیا جانا ہی ثابت ہوتا ہے جس پر فرقۂ شیعہ کا عمل ہے۔

غسل

غسل جو واجب ہیں وہ کچھ مرد و عورت میں مشترک (Common) ہیں اور کچھ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

جو مشترک ہیں وہ جنابت، غسل اموات اور غسل مس میت ہے اور جو عورتوں سے خاص

ہیں وہ حیض واستحاضہ ونفاس ہیں۔

ترکیب غسل کی سب میں ایک ہے کہ اگر حوض، نہر یا تالاب وغیرہ موجود ہو تو غسل ارتماسی ہوسکتا ہے کہ نیت کے ساتھ ایک دم غوطہ لگالے نہیں تو ترتیبی کرے اور وہ اس طرح کہ نیت کے ساتھ پہلے سر وگردن دھوئے۔ پھر دایاں حصہ جسم کا، پھر بایاں حصہ، جو اعضاء وسط میں ہیں اور ایک ہیں جیسے ناف وغیرہ انھیں دونوں طرف کے دھونے میں ملالے۔

ان میں سے ایک یعنی غسل مسِ میت کا وجوب فقہِ جعفری سے مخصوص ہے یعنی جب روح جسم سے نکلنے کے بعد جسم سرد ہوجائے اور ابھی غسل میت نہ ہوا ہو تو جو شخص اس دوران میں اس کو چھوئے، اس پر غسل واجب ہوگا۔ اسے فقہ اہلسنت میں واجب نہیں قرار دیا گیا حالانکہ احادیث میں وہاں بھی اس کا ذکر ہے۔

نماز کے دیگر شرائط

سترِ عورتین (دونوں شرمگاہوں کا چھپانا)

یہ شرط مرد اور عورت سب کے لئے ہے لیکن عورت کے لئے اس کے علاوہ، سوا چہرے اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے، باقی تمام جسم کا چھپانا بھی لازم ہے۔ مرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ لباس خالص ریشم کا نہ ہو۔ نیز سونے کی کوئی چیز بطور زینت پہننا ناجائز ہے۔ عورت کے لئے یہ دونوں پابندیاں نہیں ہیں۔ بے شک ایک یہ پابندی سب کے لئے ہے کہ غیر ماکول اللحم (حرام گوشت جانور) کا کوئی جز لباس سے متصل نہ ہو اور لباس غصبی نہ ہو۔

قبلہ

یعنی کعبہ کی سمت رُخ ہونا۔ یہ نماز فریضہ میں بلاشبہہ واجب ولازم ہے اور اس میں فرقِ اسلامیہ کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

نماز واجب کے اقسام

نماز کی اصل شرع میں جو قسمیں واجب ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

نماز پنجگانہ جو ہر شب وروز میں ہے اور ہفتے کی ایک نماز جمعہ اور سال کی ایک عید الفطر اور

عیدالاضحیٰ (بقرعید) کی نمازیں اور خاص حالات سے متعلق نمازِ آیات جو چاند گرہن، سورج گرہن اور زلزلہ وغیرہ میں ہوتی ہے۔

نمازِ جمعہ کا وجوب عینی اور اسی طرح نمازِ عیدین کا وجوب فقہِ جعفری کے رو سے مشروط ہے اس امر کے ساتھ کہ امام معصوم کی قیادت میں وہ ادا ہو۔

اگر امام معصوم کی قیادت میں نہیں ہے تو پھر نماز جمعہ کو ہمارے اکثر علماء واجب تخییر سمجھتے ہیں یعنی جمعہ کے دن اختیار ہے کہ ظہر ادا کرے یا جمعہ ادا کرے بشرطیکہ جماعت کے ساتھ ہوسکے ورنہ ظہر پڑھنا معیناً لازم ہے کیونکہ جمعہ فرادیٰ طور پر نہیں ہوسکتا۔

عیدین امام معصومؑ کی قیادت نہ ہونے کی صورت میں بس مستحب ہے۔ واجب نہیں ہے اور اُسے فرادیٰ اور جماعت دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

ترکیب نماز

نماز کی ترکیب قرآن مجید میں تو ہے نہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے عمل سے ثابت ہوئی ہے۔ یعنی آپ نے نماز پڑھ کر دکھائی کہ اس طرح نماز پڑھا کرو اور رسولؐ کے عمل کو صحیح طور پر ان کے اہلبیتؑ طاہرین علیہم السلام جیسا بتا سکتے ہیں دوسرے اجنبی افراد نہیں بتا سکتے۔ چنانچہ شیعہ نماز کے اسی طریقہ پر قائم ہیں جو اہلبیتؑ طاہرین سے ثابت ہے جس کے امتیازی خصوصیات میں یہ ہے کہ نماز کے قیام میں ہاتھ کھلے رہیں۔ امام مالک جو مدینہ منوّرہ یعنی وطن رسولؐ کے باشندے ہونے کی وجہ سے سیرتِ رسولؐ سے بہ نسبت بیرونی علماء کے زیادہ واقف ہوسکتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل تھے۔ چنانچہ اہلسنت میں سے بھی مالکی حضرات عموماً ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔

اس کے علاوہ سورۂ حمد اور دوسرے سوروں کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لازمی جزء ہے جسے بآوازِ بلند کہنا بہتر ہے۔ اس میں امام شافعی اور ان کے تابعین شیعوں سے متفق ہیں۔ اس کے علاوہ سجدے میں یہ پابندی ہے کہ زمین یا نباتاتِ زمین ہی پر سجدہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ کھانے اور پہننے کی چیز نہ ہو۔ آسانی کے لئے سجدہ گاہ رکھی جاتی ہے تاکہ کسی وقت دقّت نہ ہو۔ احادیث اہلسنت سے پیغمبر خدا ﷺ کے سجدے کی جو کیفیت ثابت ہوتی ہے وہ اس کے مطابق ہے۔

حالت سفر میں ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جائے گی، اسے قصر کہتے ہیں۔ قصر کا حکم قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔ نیز حالتِ سفر میں روزے کو ترک کر کے کسی اور زمانہ میں اس کی قضا کا حکم بھی قرآن سے ثابت ہے جس پر فرقۂ شیعہ کا عمل ہے۔

نماز جماعت

نماز کا بجماعت ہونا افضل ہے اور اس کا ثواب عظیم ہے مگر شیعہ ہر کس و ناکس کی اقتداء میں نماز درست نہیں سمجھتے بلکہ جماعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس شخص کے پیچھے نماز پڑھے وہ عادل ہو۔

''عادل'' کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ سے کلیتہً (پورے طور سے) پرہیز رکھتا ہو اور صغیرہ گناہ پر بھی اصرار نہ ہو (پھر نہ کرتا ہو) یعنی اگر ہوتا ہو تو اتفاق سے عمل میں آتا ہو۔ اس کا خوگر (Habitual) نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایسی باتوں سے پرہیز کرے، جو عام طور پر انگشت نمائی (Objection) کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ باتیں ''خلاف مروّت'' کہلاتی ہیں۔

نماز جماعت میں فقہ جعفری میں کچھ اور شرطیں بھی ہیں مثلاً یہ کہ امام اور ماموم کے بیچ میں کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، ورنہ اقتداء درست نہ ہوگی بلکہ اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ امام کو دیکھ رہا ہو یا ایسے شخص کو جو امام کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کے علاوہ اگر امام اوپر اور ماموم نیچے ہو یعنی درمیان میں دو ایک سیڑھیاں ہوں تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

روزہ

سال کے ایک مہینے میں جو ماہِ رمضان ہے شروع سے آخر تک ہر دن طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ واجب ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان اصل حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور روزہ میں جن چیزوں کو ترک کرنا لازم ہے جنھیں ''مفطراتِ صوم'' کہتے ہیں ان میں بھی کوئی خاص اختلاف نہیں ہے مگر فقہِ جعفری میں صرف سورج کا نگاہ سے چھپ جانا افطار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ جب مشرق کی طرف کی سرخی دور ہو کر ذرا سیاہی چھا جائے اس وقت روزہ کھولنا چاہئے۔

قرآن مجید میں روزہ کی حد یہ بتائی گئی ہے کہ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيلِ۔ (یعنی) ''روزہ کو رات تک پورا کرو'' اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ صرف سورج کے آنکھ سے چھپ جانے پر رات کا

اطلاق کسی طرح نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ

قرآن میں زکوٰۃ کا اکثر جگہ صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے جس کے پاس بقدر نصاب مال سال بھر رکھا رہے۔ اس کے احکام میں فرقِ اسلامیہ کے درمیان بظاہر کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

خمس

حقوق مالیہ میں زکوٰۃ کے علاوہ خمس کے متعلق قرآنِ مجید میں نصِ صریح موجود ہے:

وَمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَالرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

(جو کچھ بطور مالِ غنیمت تمہیں حاصل ہو، اس میں پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ اور مخصوص صاحبانِ قرابت اور یتیموں، مسکینوں اور اپنے وطن سے دُور افتادہ اور پریشان حال آدمیوں کا ہے۔)

اس نص کے بعد یہ تو گنجائش نکل سکتی تھی کہ مَا غَنِمْتُمْ کی تشریح کے ماتحت ان اموال کی تعیین میں اختلاف ہوتا جن میں خمس واجب ہے۔ چنانچہ علمائے شیعہ کے درمیان اس بارے میں کسی حد تک اختلاف ہے مگر اصل حکم خمس کو تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہونا چاہئے تھا مگر صورت واقعہ یہ ہے کہ صرف فقہ جعفری کے پیرووں میں یہ حکم قرآنی آج تک باقی سمجھا گیا ہے اور شریعت کے پابند افراد اس پر عامل ہیں۔ باقی فقہ کے دوسرے مکاتب خیال میں خمس کو احکام شریعت سے خارج کر دیا گیا ہے جس کا کوئی جواز از روئے قرآن نہیں نکلتا۔

یہ ایک اور حیرت ناک بات ہے کہ سادات آل رسولؐ کے لئے دو خصوصی حکم از روئے شریعت ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ غیر سادات کی ان پر حرام ہے اور دوسرے یہ کہ خمس میں ان کا حق ہے۔ پہلا حکم ظاہری طور پر قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ ''سنت'' سے ثابت ہے اور دوسرا قرآن مجید میں موجود ہے لیکن شیعوں کو چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں میں پہلا حکم تو مسلماً باقی رہا جو سادات کے زکوٰۃ سے ممنوع ہونے کا تھا اور دوسرا جو سادات کو خمس کے ملنے سے متعلق تھا، فقہِ اسلامی سے خارج کر دیا گیا فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

حج

زندگی میں ایک بار بشرطِ استطاعت حج ہر مسلمان پر فریضۂ لازم ہے جس پر عام فرقِ اسلامیہ کے ساتھ فرقۂ شیعہ کا بھی ایمان ہے۔ مگر خاص مسئلہ جواز روئے قرآن ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو خانۂ کعبہ کے باشندے نہ ہوں، دور سے جائیں ''حج تمتّع'' لازم ہے یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھیں اور پھر عمرہ کے احکام پورے کرنے کے بعد اس احرام کو ختم کردیں اور دوبارہ آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر عرفات جائیں اور مناسک حج بجالائیں۔ اسے فرقۂ شیعہ کے علاوہ دوسرے مسلمان ممنوع تو نہیں سمجھتے مگر اسے ضروری و لازمی نہیں جانتے۔ شیعہ بمتابعتِ قرآن باہر سے جانے والوں کے لئے اس کو تعیّن کے ساتھ لازم سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ احرام کی کچھ پابندیاں مرد کے لئے فقہِ جعفری میں زیادہ ہیں مثلاً بحالت رفتار سر پر سایہ کرنا درست نہیں ہے۔ یہ سب پابندیاں رسولؐ و آل رسولؐ کے احکام کی بناء پر ثابت ہیں جن پر عمل کرنا شیعوں کے یہاں ضروری ہے۔

جہاد

یعنی نصرتِ دین میں تلوار یا دوسرے خوں ریز اسلحہ کے ذریعہ سے مقابلہ کرنا۔ اس میں پیش قدمی کرنا شیعی فقہ کی رو سے بغیر معصومؑ کی سربراہی یا اجازت خاص کے نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جان دینا شہادت اسی وقت قرار پاسکتا ہے جب فی سبیل اللہ ہو اور فی سبیل اللہ یعنی رضائے الٰہی کے صحیح معیار کی شناخت یقینی طور پر معصومؑ ہی کی نگاہ کرسکتی ہے۔ ہاں جب کوئی حملہ آور ہو تو دفاعی طور پر جنگ کرنا بہرصورت درست ہے۔

والسلام

علی نقی عفی عنہ

۳؍ جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ

علی گڑھ

خاندان اجتہاد

ڈیڑھ سو سال سے یکساں ثمر افشاں ہے یہ باغ
بزم و ساقی تو بدلتے رہے بدلا نہ ایاغ

نہ دبے اپنے پرایوں سے کبھی اپنے دماغ
روشنی لیتے رہے میرے چراغوں سے چراغ

یہ بھی کہہ دوں کہ شرف میرا رہے گا کب تک
آئے آوازِ ''بلافصل'' اذاں میں جب تک

❋❋❋

خطیب اکبر لسان الشعراء مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ

ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ

از قلم

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ

کراچی پاکستان

تمہید

برصغیر کے شیعہ اپنے مذہب اور اپنی قوم کی تاریخ سے بے خبر ہیں۔ انھیں نہیں معلوم کہ ہندوستان میں ان کی قومی اور مذہبی حیثیت کیا تھی اور کس طرح وہ اپنے عقائد سے واقف ہوئے اور دوسروں کے عقائد ترک کئے، ان کی قومی تشکیل کس طرح ہوئی۔ اس کو جاننا، اس کی یادگار منانا اور انھیں طریقوں پر عامل ہوجانا ضروری ہے جن سے وہ ایک قوم بنے۔ ہم نے اس روئداد کو مختصر طور پر پیش کرنا ضروری سمجھا کہ شیعہ اپنے مذہب کی تاریخ سے واقف ہوجائیں۔ اگرچہ ہماری یہ کوشش مختصر ہے مگر سمجھنے اور یاد رکھنے کے لئے کافی ہے۔

یہ واقعہ عہد آصف الدولہ کا ہے۔ اگرچہ اس میں اُن کی سعی کو کچھ دخل نہیں مگر ان کے عہد کا واقعہ ہے جو مولانا دلدار علی غفران مآبؒ کی سعیٔ پیہم اور نواب حسن رضا خاں کی سرپرستی سے وجود میں آیا۔ مورّخوں اور تذکرہ نویسوں نے غفران مآبؒ کی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے مگر نواب حسن رضا خاں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ بڑی حق تلفی کی بات ہے۔ اس کو بھی تفصیل سے بیان کرنا تاریخی دیانت کے لحاظ سے ضروری تھا۔ اس کمی کو میں نے پورا کر دیا ہے۔

فقط: ذرۂ ناچیز
محمد باقر شمسؔ

تیرہویں صدی ہجری

عہد آصف الدولہ میں شیعت کی تجدید

مولانا دلدار علی غفران مآبؒ

اور

سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں

ہندوستان میں مغلوں سے پہلے شیعہ اپنے کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کے زمانہ میں کچھ رافضی اوران کی کتابیں پکڑی گئیں، کتابیں سرِ بازار جلادی گئیں اور رافضیوں کو اس جگہ پہنچادیا گیا جو ان کے لئے مقدر تھی۔ نقوی سادات کا ایک خاندان محمود غزنوی کے وقت سے جائس میں آباد تھا جو تلوئی، سمرن گڑھ، سیواڑہ، رسالپور، پٹاک پور اور امیٹھی ہندو ریاستوں کے بیچ میں تھا۔ یہ ریاستیں اس وقت حکومت دہلی سے آزاد اور خود مختار تھیں اس وجہ سے جائس کے سادات محفوظ رہے۔

مغل حکومت اور شیعہ

بابر کے ساتھ شیعہ ہندوستان میں آئے اور امراء کی صف میں داخل ہوئے، پھر ان کی آمد کا سلسلہ جاری ہوگیا اور ان کی تعداد بڑھتی رہی، مگر بحیثیت جماعت ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ وہ اہل سنت کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے اور ان کے تمام مذہبی رواسم بجالاتے تھے کیوں کہ کوئی شیعہ عالم نہ تھا نکاح، طلاق، نماز، روزہ، دفن وکفن سب اہل سنت کے طریقہ پر انھیں کے ہاتھوں سے انجام پاتا تھا۔ پیری، مریدی، عرس، قوالی، چادر، گاگر، شیخ سدّو کا بکرا، میراں جی کے گلگلے، احمد کبیر کی گائے، سید سالار کا جھنڈا۔ مدار صاحب کی کندوری، بڑے پیر کا فاتحہ اہل سنت میں عام تھی، شیعہ بھی اس میں ان کے برابر کے شریک ہوگئے۔ ان حالات میں باہر سے آنے والے شیعہ تو شیعہ رہے مگر ان کی اولاد رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے بے خبر اور عام مسلمانوں میں جذب ہوتی چلی گئی۔ سفر کی دشواری اور رسل ورسائل کے فقدان نے عراق سے کوئی ربط قائم نہ ہونے دیا۔

ایران سے صرف ادبی رشتہ تھا اور شیعیت کا ایک دھندلا سا نقش پڑھے لکھے لوگوں کے دماغ میں رہ گیا تھا۔ شیعہ عوام کو اتنا شعور بھی نہ تھا۔ اس پر طرّہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ خوف، کچھ مروت سے کچھ قرابت داری، کچھ اپنی قلتِ تعداد کو محسوس کرکے اپنے مذہب سے بے اعتنائی برتنے لگے اور کچھ جان بوجھ کے چھپانے لگے۔ ''تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء'' میں مولانا محمد حسین صاحب نوگانوی نے لکھا ہے کہ قاضی نوراللہ شوستریؒ زندگی بھر اپنے مذہب کو چھپاتے رہے، اس طرح ایسی فضا پیدا ہوگئی کہ خاندان کے خاندان سنی ہوتے چلے گئے۔ جب شیعوں کی آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں تو ان میں یہی حالت رہی کیوں کہ کوئی شیعہ عالم نہ تھا۔ علمائے اہلسنت ہی مفتی وقاضی اور امام جمعہ وجماعت تھے۔ سنیوں اور شیعوں کے تمام مذہبی امور انھیں کے ہاتھوں انجام پاتے تھے، صرف اودھ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ فیض آباد میں مولانا رجب علی اور جونپور میں مولانا سید عسکری صاحب شیعہ عالم تھے، پانچ سنی عالم اپنی ذاتی تحقیق سے شیعہ ہوگئے۔ ملا حمد اللہ، علی اکبر چشتی مودودی، تفضّل حسین خانِ علامہ، مولوی شمس الدین فقیر اور میر قمر الدین منتؔ۔

ملّا حمد اللہ منطقی آدمی تھے۔ شیعہ ہونے کے بعد انھوں نے علامہ بہائی کی زبدۃ الاصول کی شرح لکھی۔

مولانا اکبر علی چشتی مودودی نے خرقۂ خلافت اتار دیا اور پیری مریدی چھوڑ دی۔

تفضّل حسین خانِ علامہ فلسفی تھے۔ انھوں نے فلسفہ میں کتابیں لکھیں۔ سفارت تک پہنچنے کے بعد بھی وہ درس دیا کرتے تھے۔ وہ معقولات کے ساتھ اہل سنت کو سنی فقہ اور شیعوں کو شیعہ فقہ بھی پڑھاتے تھے۔ میر شمس الدین فقیرؔ اور میر قمر الدین منتؔ ادیب تھے۔ ان لوگوں کی شیعیت کا اثر ان کے گھر سے باہر نہیں نکلا۔ لکھنؤ میں شیعیت کا اثر صرف اتنا تھا کہ یہاں کے پہلے فرماں روا برہان الملک نے محرم میں مجلس قائم کی جس میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا مگر صرف دس دن باقی دنوں میں مذہبی رواسم وہی صوفیاء کی نذر و نیاز تھے۔ برہان الملک کے جانشین صفدر جنگ کے زمانہ میں عزاداری کو کوئی ترقی نہیں ہوئی کیوں کہ وہ زیادہ تر دہلی میں رہے۔ شجاع الدولہ کو عزاداری سے بہت عقیدت تھی۔ وہ محرم کے دس دن بڑی دھوم سے عزاداری کرتے تھے۔ اودھ میں صرف جائس ونصیر آباد ایسا خطہ تھا جہاں شیعہ سادات بہت دن سے آباد تھے۔ ان میں علماء وفضلاء بھی پیدا ہوتے رہے یہ لوگ اپنے مذہب سے باخبر تھے اورنگزیب کے زمانہ سے ان کو قضا اور معلمی کے عہدے بھی ملتے رہے۔ غفران مآبؒ کے

بزرگوں میں سید عبدالقادر اورنگزیب کے بڑے بیٹے کے استاد تھے جن کی تعلیم سے وہ شیعہ ہوئے اور بہادر شاہ بننے کے بعد انھوں نے اپنی شیعیت کا اعلان کر دیا جس پر ہنگامہ برپا ہوا تفصیلات تاریخ میں موجود ہیں۔ آخر زمانہ میں ملا نعمت اللہ، ملا عصمت اللہ، قاضی قربان علی، قاضی علی رضا اور قاضی عادل حسین یہاں کے مشہور عالم تھے۔ اپنی سیادت کو محفوظ رکھنے کے لئے آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے تھے۔ سنی وہ سب کرتے تھے جو ہندوستان میں ہوتا تھا۔ شیعوں میں صوفیوں کی نذر و نیاز جائز نہیں ہوتی تھی۔ اس خطہ کے علاوہ سارے ہندوستان میں شیعیت کی زبوں حالی حساس دلوں کو پکارتی تھی مگر کوئی لبیک کہنے والا نہ تھا اسی سادات نصیر آباد و جائس کے فرزند رشید دلدار علی ۱۱۶۶ھ کو شب جمعہ نصیر آباد میں پیدا ہوئے۔ قدرت نے ان کو حساس دل، دقیق نظر، انقلابی ذہن، آہنی عزم اور پرتاثیر زبان عطا کی تھی۔ وہ بچپنے سے بردبار، سنجیدہ اور غور و فکر کے عادی تھے اور شیعیت کی اس زبوں حالی پر غور کرتے رہتے تھے۔ دیہات کی زندگی، کھیتی باڑی کا مشغلہ تھا اور معمولی تعلیم تھی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دن وہ اپنے کھیتوں کے قریب، درخت کے نیچے کھڑے تھے کہ ایک روشنی پیدا ہوئی اور آواز آئی ''دلدار علی جا! اور علم دین حاصل کر'' حقیقت میں یہ ان کے دل کی آواز تھی جسے وہ سوتے جاگتے سنا کرتے تھے۔

گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور ہندوستان کے مشہور علماء سے فلسفہ، منطق، ہیئت اور ریاضی میں وہ تبحر پیدا کیا کہ علامہ ''عبدالحیٔ فرنگی محلی'' جو اپنے وقت کے مشہور فلسفی تھے ان کا یہ قول ان کے شاگرد سید مرتضیٰ فلسفی نے ''معراج العقول'' میں لکھا ہے کہ جب میں جناب غفران مآب کے حاشیہ صدرا کو دیکھتا ہوں تو متاخرین فلاسفہ پر ان کو ترجیح دیتا ہوں۔

ان کے بیٹے سلطان العلماء سید محمدؒ صاحب رضوان مآب کی مشہور کتاب ''بوارق موبقہ'' سے انکشاف ہوا کہ جناب غفران مآبؒ نے تکمیل علوم کے بعد ہندوستان کی سیاحت بھی کی اور مشہور علماء سے مباحثے بھی کئے۔ شاہ جہاں پور کی مسجد میں ملّا ''عبدالعلی فرنگی محلی'' سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنی کتاب ''شرح سلّم'' میں ملا حمداللہ پر جو اعتراض کئے تھے ان کا جواب غفران مآبؒ نے دیا تو وہ کوئی شافی جواب نہ دے سکے۔ دہلی کی جامع مسجد میں ملا حسن سے مسئلہ انجراء وتر پر بحث ہوئی تو ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ علم میں یہ درجہ حاصل کرنے کے بعد وہ لکھنؤ آئے۔ اس وقت آصف الدولہ حکمران اور حسن رضا خاں سرفراز الدولہ وزیر اعظم تھے، ان کے بیٹوں کے استاد سے غفران

مآبؒ نے ربط پیدا کیا، پھر انھیں کے ذریعہ سے وزیر اعظم سے ملے اور ان سے کہا کہ شیعہ ریاست میں عیدین اور جمعہ کی نمازیں اہل سنت پڑھاتے ہیں، سنی علماء مفتی اور قاضی ہیں، نکاح، طلاق، دفن کفن شیعوں کا بھی سُنی طریقہ سے ہوتا ہے۔ پیری مریدی، عرس، قوالی اور صوفیوں کی نذر و نیاز شیعوں نے اختیار کر لی ہے اور اپنے مذہب سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ صرف تعزیہ داری جانتے ہیں، وہ بھی اصلاح طلب ہے۔ ان میں تبلیغ کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے مذہب سے واقف ہوں۔ لوگوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا جائے۔ فقہ واصول اور کلام ومناظرہ کی کتابیں پڑھائی جائیں اور علماء ومبلغین پیدا کئے جائیں۔ حسن رضا خاں دیندار آدمی تھے، انھوں نے کہا: ''آپ یہ امور انجام دیں۔ میں آپ کے لئے سہولتیں پیدا کروں گا۔'' انھوں نے کہا کہ میں علوم دینیہ سے معمولی واقفیت رکھتا ہوں، فقہ واصول کا درس نہیں دے سکتا جب تک خود علوم دینیہ حاصل نہ کرلوں۔ طے یہ پایا کہ نجف اشرف جا کے علم دین حاصل کریں، نواب نے پانچ ہزار روپئے ان کو دیئے اور ہندوستان کا یہ فلسفی علم دین حاصل کرنے کے لئے باب مدینہ علم کی طرف روانہ ہوا۔ بمبئی پہنچ کر بادبانی جہاز میں بیٹھے۔ مشہور ہے پندرہ دن کی مسافت طے کی تھی کہ باد مخالف کا طوفان اس زور سے آیا کہ ناخدا بادبان لپیٹ نہ سکا، مخالف ہوا بھری اور تیسرے دن ساحل بمبئی پر لا کھڑا کیا۔ مگر دلیرانہ ہمت اور جواں مردانہ عزم کف بر دہان سمندر کو للکار کے پھر اس کے سینہ پر سوار ہو گیا۔ اب کی سمندر مغلوب اور بیڑا پار تھا۔ نجف اشرف پہنچ کے علامہ سید مہدی طباطبائی اور آغا باقر بہبہانی، کے درس میں شرکت کی اور پانچ برس میں فقہ واصول کا دورہ مکمل کیا۔ اس وقت نجف اشرف کی یہ خصوصیت مشہور تھی ''خُبزُ الشَّعِیرِ لَحمُ البَعِیرِ زِیَارَۃُ الأمِیرِ'' جو کی روٹی، اونٹ کا گوشت اور امیر المومنینؑ کی زیارت۔

اونٹ کا گوشت تو کبھی کبھی ملتا ہوگا نمک اور رطب سے روٹی کھائی جاتی تھی، چار پانچ روپیہ ماہانہ کا خرچ تھا، کپڑے وغیرہ ملا کے زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ماہوار کا صرف ہوتا تھا۔ ان کے پاس ایک ہزار روپیہ سال کے حساب سے روپیہ تھا، جس سے وہ دینی کتابیں خریدتے تھے ان کا مطالعہ کرتے تھے اور اپنے کو تبلیغ کے لئے تیار کرتے تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ ان کی تبلیغ کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے۔ اس کے ساتھ وہ انسان کی عمر طبعی کی حد بھی جانتے تھے تو دعا کرتے تھے کہ خداوندا میری اولاد میں قیامت تک علم دین باقی رہے۔ اس کا یہ پُرلطف واقعہ علامہ کنتوری نے لکھا ہے:-

میرے ایک بزرگ رسول پور کے جناب غفران مآبؒ کے ہم سفر تھے۔ نجف میں شب

قدر کے اعمال کئے اور ان کو بھی شریک کیا اور فرمایا کہ جب ایک عمود نور قبہ مبارکہ سے آسمان تک نظر آئے تو وہی استجابت دعا کا وقت ہے۔ جب وہ وقت آیا تو جناب غفران مآبؒ نے دعا کی: ''خداوندا بحق صاحب قبر میری اولاد سے قیامت تک علم دین نہ جائے۔'' سید صاحب نے دعا کی کہ خداوندا ''رسول پور کی بارہ پٹی میں سوا میرے اور کوئی میرا شریک نہ ہو'' جناب غفران مآبؒ نے ان کو ایک دو ہتڑ مار کر کہا: ''اے کمبخت! یہ کیا دعا کی؟'' سید صاحب نے کہا: ''تم زمینداری کا مزا کیا جانو؟ ملاّ آدمی، لڑکے پڑھانے کا تم کو مزا ہے زمینداری کو کیا جانو؟ اس کی جڑ پاتال میں ہوتی ہے جیسے دوب کی جڑ۔
(تاریخ العلماء ص ۱۵۰)

جب درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے تو اپنی کتابوں کا پشتارہ لے کے ایران آئے اور کچھ دن قم میں قیام کیا۔ وہاں بھی بہت سی کتابیں خریدیں۔ پھر سندھ کے راستے ہندوستان پہنچے۔ نواب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایک لاکھ کی کتابیں مختلف مذاہب کی دو دفعہ منگوا کے دیں اور وہ سیاسی توڑ جوڑ سے اپنے کو علاحدہ کر کے صرف ایک مقصد کو سامنے رکھ کے بیک وقت تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

تصنیف وتالیف

تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے ''عماد الاسلام'' کی پہلی جلد الٰہیات سے شروع کی جس میں حکمائے یونان، فلاسفۂ ہندوستان اور علمائے امت کے اقوال کے ردو ابطال میں جو معرکے دکھلائے ہیں اس نے علمائے سابقین ولاحقین کے کارنامے محو کر دیئے۔

علامہ عبدالحسین صاحب استاد فلسفہ (جامعہ سلطانیہ لکھنؤ) اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> یہ ایک ایسی جامع اور حاوی کتاب ہے جس کی نظیر مذہب امامیہ کے کتب خانہ بلکہ اسلامی کتاب خانہ میں ناپید ہے۔ اس کی تعریف کے لئے میدان قلم کوتاہ اور جولانیٔ دماغ ناکافی ہے۔ اس میں ایسے مطالب عالیہ بیان کئے گئے ہیں جن کا سمجھنا خالی از اشکال نہیں، چہ جائے کہ ان کی توضیح وتقریر کرنا۔ مرحوم اَعْلَی اللّٰہُ دَرَجَتَہٗ نے یہ کتاب نہیں لکھی بلکہ درسگاہِ تحقیق اور بزمِ قدس منعقد کی ہے، جس میں تمام علماء، حکماء اور

متکلمین اسلام کو مدعو کر لیا ہے۔ اس میں اگر ایک طرف افلاطون الٰہی مع اپنی تحقیقات کے، ارسطو مع اپنی آراء کے جلوہ افروز ہے۔ تو دوسری طرف ابوالنصر فارابی، شیخ الرئیس ابوعلی بن سینا مع شفاء واشارات کے زیب دہِ انجمن ہیں۔ ایک طرف اگر بہمن یار مع تجرید کے، میر باقر داماد مع اپنی تصنیفات کے زینت افزائے بزم ہیں، تو دوسری طرف علامہ حلّی مع ''نہایت المرام'' کے، قوشجی مع شرح تجرید کے، شیخ مفید مع مقالات کے، سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ، مع شافی کے، سید علی بن طاؤس مع طرائف کے، رونق افزائے محفل ہیں، وسط میں اشاعرہ اور معتزلہ کا گروہ مع اپنے تلامذہ اور اتباع کے جن میں حافظ نظام، ابوالہذیل علاف بلخی وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ ایک گوشہ میں ملا صدرالدین شیرازی مع اسفار اور شارح مواقف مع اپنی تصنیفات کے تشریف فرما ہیں، دوسرے گوشہ مین شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری اور علامہ فضل بن روز بہان مع احقاق الحق اور ابطال الباطل کے حاضر ہیں۔

صدر نشین بزم قدس جناب غفران مآب علیہ الرحمہ ہیں، آپ کے ہاتھوں میں عنانِ کمیت قلم ہے اور وہ اس کو میدان تحقیق میں جولان کر رہے ہیں۔ آپ کی تحقیق اتنی کامل، آپ کی نظر اتنی وسیع ہے کہ آپ کے فیصلہ کو تمام علماء مانے ہوئے ہیں، آپ پر مجال نہیں کہ کوئی اعتراض کر سکے اور آپ کی تحقیق کو رد کر سکے۔ (رسالہ مبلغ غفران مآب نمبر)

عراق کے مشہور عالم شیخ الفقہا شیخ محمد حسن نجفی صاحبِ 'جواہر الکلام' لکھتے ہیں:

> ''مراۃ العقول (الملقب بعماد الاسلام) جس کے مصنف ہیں اسلام کے رکن اعظم اور خلق خدا پر خدا کی حجت، جنھوں نے عقول کو اپنی موشگافیوں سے حیران کر دیا اور عقلی شبہوں کو اپنی فکر ونظر کے ستاروں سے روشن کر دیا، جن کے انواع علوم کی حدیں معین کرنے سے اجناس

وفصول قاصر ہیں اور جنھوں نے تحریر کی مشکل شکلوں کو اپنے بیان کے
منطوق کے ذریعہ سے واضح کیا، تمام خلق خدا کے مرکز اور عقول عشرہ[۱]
کے مدمقابل گیارہویں عقل'' (ظل ممدود)

مفتی محمد عباس صاحب ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

بلند مرتبہ علامہ، خدا کی بولتی ہوئی کتاب، جن کی ذات پر اجتہاد
ختم ہوگیا۔۔۔خدا کی سب سے بڑی آیت اولین وآخرین کے اندر۔
(ظل ممدود)

علامہ شیخ احمد یمنی، شیروانی لکھتے ہیں:

آپ کی مہارت علم اصول میں جعفری، آپ کا احاطہ فروع میں
یوسفی، آپ کی درایت فہم حدیث میں باقری، آپ کی تحریر وتقریر حقائق
کی پردہ دار اور نکتوں کو واضح کرنے والی ہے۔کون آپ کی ہمسری کرسکتا
ہے؟ اگر علامہ حلّی ہوتے تو آپ کی اقتدا کرتے، اگر مجلسیؒ اور مفیدؒ
آپ کے مفید مجالس درس میں، حاضر ہوتے تو بحارُالانوار کو آپ کے
دریائے علم کے پہلو میں حقیر سمجھتے۔اللہ اکبر کس قدر علوم وفنون میں آپ کا
حصہ بلند اور مقام رفیع ہے۔ (ظل ممدود مرتبہ جناب مفتی میر عباس صاحب)

مولانا اعجاز حسین صاحب اور برادر مولانا میر حامد حسین صاحب مرحوم شذور العقیان فی
تراجم الاعیان میں اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے تلمذ حاصل کیا خدا کی اس نشانی سے
جو تمام عالموں کا رب ہے۔وہ ایسے بزرگ ہیں جنھوں نے مملکت ہندوستان میں دین کو زندہ کیا اور
بدعت وجاہلیت کے آثار کو محو (باطل) کیا۔یعنی علاّمہ مولانا سید دلدار علی نصیر آبادیؒ۔
(منقول از حیات فردوس مکاں)

حقیقت میں خدا کو ان سے جو اہم کام لینا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ ان کا علم، ان کا عزم،

[۱] فلاسفہ یونان قائل ہیں کہ اللہ کی مخلوق بلاواسطہ عقل اوّل ہے اور عقل اوّل نے عقل ثانی کو پیدا کیا اور عقل ثانی نے عقل ثالث کو، یوں ہی دس عقول تک سلسلہ پہنچا اور نو فلک پیدا ہوئے، پھر انھیں عقول وافلاک کی شرکت سے تمام کائنات وجود میں آئی۔۱۲ (ظل ممدود۔مرتبہٗ مفتی محمد عباس صاحب)

ان کی ہمت اور ان کی سیرت ائمہ اہلبیتؑ کا پرتو ہو۔یہی اوصاف ان کے علمی کارنامے کی جان ہیں۔
اگر ان کا علم، ان کی بلند نظر، ان کی تعمق فکر فوق البشر نہ ہوتی تو ہندوستان کی شیعیت کی تاریخ کچھ اور
ہوتی ان کی بلند نظر ہر خامی کو دیکھتی تھی خواہ وہ کہیں ہو۔

وہ عراق جاکر وہاں کے علماء سے مرعوب نہیں ہوئے اور وہاں سے واپس آئے تو ان کی نقل
نہیں اتاری۔بلکہ ہندوستان میں ان طریقوں سے شیعیت کی ترویج کی جو یہاں کے حالات کے لحاظ
سے مناسب تھے۔

ہندوستان میں شیعوں کی پہلی نماز جماعت

آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ شیعوں کی نماز جماعت ہندوستان میں کہیں نہیں ہوتی تھی اور
ایک نئی بات کی ابتداء کرنے کی نہ کسی کو جرأت تھی اور نہ کوئی نماز پڑھانے والا میسّر تھا۔پڑھے لکھے
شیعہ عموماً اخباری تھے جن کے نزدیک جمعہ وجماعت درست نہیں۔اس طرح شیعوں کی الگ کوئی
اجتماعی زندگی نہ تھی اور بحیثیت شیعہ ایک قوم ہونے کا کوئی تصور کسی کے دماغ میں نہ تھا بلکہ عام طور پر
لوگ اس کے اظہار سے کتراتے تھے جس کے نتائج کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

شیعہ قومیت کی تشکیل

اس وقت ضرورت اس کی تھی کہ شیعوں کے مذہبی عقائد انھیں بتائے جائیں ان کی نماز،
ان کے مذہبی رواسم الگ قائم ہوں اور ان میں اتنی جرأت پیدا کی جائے کہ وہ بحیثیت شیعہ ایک
اجتماعی زندگی اختیار کرکے ایک قوم بن جائیں اس کے لئے جناب غفران مآبؒ نے نواب حسن رضا
خان کو آمادہ کیا کہ شیعوں کی نماز جماعت شروع ہو۔نواب کے گھر میں ملا محمد علی فیض آبادی اور شیخ اکبر
علی چشتی مودودی نے غفران مآبؒ کی اقتدا میں چند مخصوصین کے ساتھ نماز پڑھی۔یہ ۱۳ ؍رجب
۱۲۰۰ھ کی مبارک تاریخ تھی۔قدسیؔ جائسی کا شعر ہے ؎

شیعیانِ ہند کی پہلی جماعت کی نماز
جس سے عہدِ آصف الدولہ کو ہے خاص امتیاز

نماز جمعہ کی ابتداء

اس کے بعد انھوں نے بڑی جرأت سے کام لیا اور مذہب میں گویا نئی بات کی ابتدا کی یعنی

۲۷ رجب کو جمعہ کی نماز قائم کی جو عراق و ایران میں بھی نہ ہوتی تھی، اس کے وجوب پر ایک استدلالی کتاب لکھی۔ اس طرح انھوں نے عراق و ایران کی بھی ایک کمی کو یہاں پورا کیا۔

موعظہ کی ابتداء

نماز کے بعد موعظہ شروع ہوا جس میں رفتہ رفتہ مجمع بڑھتا گیا۔ سرفراز الدولہ آصف الدولہ کو بھی ایک دن کھینچ لائے مگر غفران مآب سے کہہ دیا کہ نواب بھنگ کے عادی ہیں، اس کے متعلق کچھ نہ کہئے گا لیکن اس دن کا موعظہ مسکرات ہی کی حرمت پر تھا نواب کا ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ رہ رہ کے اپنی لمبی لمبی موچھوں کو تاؤ دیتے تھے۔ وزیر اعظم کی نظر نواب پر تھی۔ دل میں پنکھے لگے تھے کہ دیکھیئے خدا آج کیا دکھاتا ہے۔ ابھی موعظہ تمام نہ ہوا تھا کہ نواب نے بلند آواز سے کہا کہ باوا جان کے سر کی قسم جو آج سے بھنگ کو منھ لگایا ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں خدا نے وہ اثر دیا تھا کہ جو قلوب کو پھیر سکتا تھا اور سینہ میں وہ دل دیا تھا جو سوا خدا کے کسی سے نہ ڈرتا تھا۔

اصلاحی کوشش

تحریر کے ذریعہ جو انھوں نے اصلاحی کوششیں کیں، وہ ہندوستان کی ضرورت کے مطابق تھیں، تقلیدی نہ تھیں بلکہ خود ان کی قوتِ اجتہاد کا نتیجہ تھیں، اس لئے ان کی اہمیت اور افادیت ہندوستان تک محدود نہیں رہی۔

تصوف کی مخالفت

ہندوستان میں تصوف کا بڑا زور تھا۔ علمائے عراق نے اس پر شیعی نقطہ نظر کی وضاحت نہیں کی۔ علمائے ایران میں علامہ مجلسیؒ نے ایک ہلکی سی روشنی ڈالی۔ اس وجہ سے اکثر علمائے شیعہ کو اس بارے میں مسامحہ ہوتا رہا۔ علامہ محسن فیض صاحبِ تفسیر صافی نے سماع (قوالی) کو جائز قرار دیا۔ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری نے اکابر صوفیہ کی تعریف میں اتنی خامہ فرسائی کی کہ ان کی مذہبی حیثیت مشکوک ہوگئی اور صاحب تاریخِ علماء کو لکھنا پڑا کہ ان کو بدمذہب سمجھنا درست نہیں کیوں کہ انھوں نے صوفیہ کی تعریف کے ساتھ ان کے اقوال کی تاویل کی ہے اور اس کا کچھ اور مطلب بیان کیا ہے۔ یعنی اس وقت تک کوئی واضح خط صوفیت اور شیعیت کے درمیان نہ تھا۔ جناب غفران مآبؒ نے معرکہ آراء کتاب ''شہاب ثاقب'' صوفیت کی رد میں لکھ کر کے ان کے فلسفہ اور عمل و قول کی دھجیاں اُڑا دیں اور

ایسا قلع قمع کیا کہ شیعوں سے اس کا استیصال ہوگیا۔

اخباریت کی رد

ہندوستان کے شیعوں میں عام طور سے اخباریت پھیلی ہوئی تھی، وہ اجتہاد و تقلید کو ناجائز سمجھتے تھے۔ غفران مآبؒ نے اس موضوع پر ''اساس الاصول'' لکھ کے اخباریت کی جڑ اُکھاڑ دی۔ اب ہندوستان میں اخباری نہ ہونے کے برابر ہیں۔

علم کلام میں انھوں نے توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت پر مستقل کتابیں لکھیں اور بڑے شد و مد سے جبر و قدر، رویت باری، معصیت انبیاء اور خلافت غیر منصوص کی رد کر کے مذہب اہل بیت کو ثابت کیا۔ اس سے پہلے عقلی و نقلی حیثیت سے اتنی مدلل، اتنی مفصل، اتنی مکمل بحث کسی نے نہیں کی تھی۔ اس سے ہندوستان میں ایک ہلچل مچ گئی اور شیعہ سنی دونوں نے ان کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔

اخباریوں کی طرف سے ''اساس الاصول'' کی رد لکھی گئی۔ تفضّل حسین خان علامہ نے عماد الاسلام پر اعتراضات کئے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں توحید سے لے کر معاد تک شیعہ نقطۂ نظر کی رد کی۔ اس طرح ایک میدانِ کارزار گرم ہوگیا۔ ایک ایک موضوع پر کتابوں کے انبار لگ گئے اور ایک ایسا ذخیرہ فراہم ہوگیا جو عراق و ایران کو بھی آج تک نصیب نہیں ہوا۔

تعزیہ داری

تعزیہ داری کا وجود ہندوستان میں بہت پہلے سے تھا۔ دکن میں عاشور خانے، سندھ میں امام بارگاہ تھی۔ شمالی ہند میں پھونس اور کپڑے کے امام باڑے محرم میں بنتے تھے۔ دس دن کے لئے پختہ عمارت کی کیا ضرورت تھی مُکی نظمیں تنہا اور چند آدمی مل کے راگ سے پڑھتے تھے۔ موجودہ زمانہ کی سوزخوانی اسی کی یادگار ہے۔ اس سے بجز حصول ثواب اور کوئی افادیت نہ تھی، وہ بھی جب کہ حدود شرع میں ہو۔ جلوس بھی نکلتے تھے جن میں شہنائی، روشن چوکی طبل، تاشہ، جھانجھ بجتے اور ماہی مراتب (مچھلی اور چوپاؤں کے سر چاندی اور پیتل کے بانسوں پر لگے ہوئے) کے ساتھ براق اور گنبد تعزیوں کی جگہ ہوتے تھے، کچھ کچھ دور پر ٹھہر ٹھہر کے بانک اور پٹے کا فن دکھاتے اور یاحسینؑ کی آواز بلند کرتے، ان رواسم کی بجا آوری میں سب مسلمان یکساں طور پر شریک تھے۔

غفران مآبؒ نے روشن چوکی اور شہنائی کو آلات غنا ہونے کی وجہ سے حرام اور طبل، تاشہ کو جنگی باجا ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا، جھنڈیوں، ماہی مراتب کے بدلے علم، گنبد کی جگہ تعزیئے اور بانک اور پٹے کا فن دکھانے کے بجائے سینہ زنی اور حسین حسینؑ کو رواج دیا۔ حاضری، مہندی اور نذر و نیاز ایسے رواسم قائم کئے۔ محرم کے دس دن میں ہر دن ایک شہید کے ذکر سے مخصوص کیا۔ مجلسوں میں عراق کی روضہ خوانی کے طرز پر ذاکری شروع کی جس میں اہلبیتؑ کے فضائل میں حدیثیں بھی مصائب کے ساتھ بیان کی جانے لگیں۔ اس طرح مجلس کی افادیت بڑھ گئی اور اس میں تبلیغی پہلو پیدا ہوگیا اور ان رواسم کو اتنا عام کردیا کہ گھر گھر مجلس اور گلی گلی تعزیئے اٹھنے لگے۔ اس طرح انھوں نے شیعوں کی تعزیہ داری کو ایک نئی شکل دے کر عام مسلمانوں سے علیحدہ کردیا اور اس سے مذہبی تبلیغ، قومی تنظیم اور شیعی تمدن کی تشکیل کی۔

اس سلسلہ میں ایک کمی جو عراق وایران میں ہے، انھوں نے یہاں اس کو پورا کیا۔ عراق وایران کے علماء مجلسیں پڑھنا اپنی شان اور مرتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذاکری جسے وہاں روضہ خوانی کہتے ہیں کم پڑھے لکھے لوگوں کا کام رہ گیا اور اس میں کوئی ترقی نہ ہوسکی۔ ہندوستان میں مجلسوں میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مجلس شاعرانہ کمال دکھانے کی جگہ نہیں ہے، اس میں فضائل ومصائب اہلبیتؑ بیان ہونا چاہئے۔ انھوں نے واقعات کربلا پر معتبر روایتوں کا ایک بڑا ذخیرہ ''اثارۃ الاحزان'' کے نام سے پیش کیا اور عاشورہ کے دن عصر کے بعد خود مجلس پڑھنے کی ابتداء کی۔ اس طرح ہندوستان کے علماء میں انھوں نے یہ سنت قائم کی کہ ان کے بعد ان کے جانشین یہ مجلس پڑھتے رہے۔ آج بھی یہ مجلس اسی وقت ان کے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ اب یہاں کے علماء کو جو حقیقت میں انھیں کے ذرّیات تھے اس پر اعتراض اور اس سے احتراز کی کیا ہمت ہوسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کثرت سے علماء مجلسیں پڑھنے لگے، یہاں تک کہ ان کی چوتھی پشت میں بحر العلوم جناب محمد حسین عرف علن صاحب پیدا ہوئے جنھوں نے ذاکری کے فن میں انقلاب پیدا کیا۔ حدیث وتفسیر اور فلسفیانہ موشگافیوں سے تقریر کو علمی بنا کر موجودہ طرز ذاکری کے موجد ہوئے۔

درس وتدریس

غفران مآبؒ نے مجلس درس قائم کی جس میں بقول حضرت سید العلماءؒ وہ ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے جو تنہا اپنے شاگردوں کو تمام علوم کی تعلیم دے کے جید عالم بنادیتے تھے اور سب

سے بڑا کارنامہ ان کا یہ ہے کہ انھوں نے اپنی سیرت وکردار اور تعلیم سے اپنے شاگردوں کو اتنا متاثر کیا اور ایسی اسپرٹ پیدا کردی کہ وہ کار تبلیغ میں ان کے شریک ہوگئے اور ہندوستان کے جس گوشہ میں جس کو بھیج دیا وہ خدا پر بھروسہ کرکے گھر بار چھوڑ کے روانہ ہوگیا۔ اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کے مبلغین پہونچ گئے۔ وہاں کے شیعوں کو عقائد کی تعلیم دی اور ان کے دلوں سے خوف وہراس دور کرکے اپنے اعمال کو عام مسلمانوں سے علٰحدہ بجالانے کی جرأت پیدا کی۔ جمعہ وجماعت قائم کی۔ مسجد وامام باڑہ بنوایا، عزاداری کو رواج دیا، بدعتوں سے روکا، دفن، کفن، نکاح، طلاق سب شیعوں کے طریقہ پر ہونے لگا۔ اس طرح سارے ہندوستان میں بغیر کسی منصوبے اور سرمایہ کے انھوں نے تبلیغ کرکے پیغمبری کا کام انجام دیا اور صدیوں سے جو خوف دلوں میں بیٹھا تھا وہ دور ہوگیا اور سارے ہندوستان میں شیعیت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر جگہ شیعہ بحیثیت ایک قوم کے نظر آنے لگے جن کے نام، مذہبی رواسم، اخلاق، طرز معاشرت، معیار فکر، زاویہ نظر، تعلیم اور لٹریچر سب الگ ہوکر ایک مستقل قوم بن گئے اور ہندوستان کی قوموں میں اپنی علمی اور تمدنی حیثیت سے ایک ممتاز درجہ حاصل کرلیا۔

مذہبی معاملات میں ان کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر میں تبدیلی ہوگئی وہ رسولؐ کی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے انھیں افراد کے دامن سے وابستہ ہوگئے جن کا تعارف رسولؐ کی زندگی کا مستقل مشن تھا اور وہ اوروں کے مذہبی اور روحانی سیادت وقیادت کے قائل نہ رہے جس کے نتیجہ میں شیخ سدّو کا بکرا، میراں جی، سید احمد کبیر، سید سالار مدار صاحب کا جھنڈا اور پیران پیر کی فاتحہ خوانی ختم ہوگئی۔ اور جب اہل بیتؑ رسول کے فضائل ومناقب بیان کئے جانے لگے اور فاتحہ وعزاداری نے ایک انقلابی کروٹ بدلی اور دوسروں کی طرف سے اس پر بدعت کے فتوے لگنے لگے تو حاضری، نذر ونیاز اور علم وتعزیہ کو بدعت کہنے والوں کو چارہ نہ رہا کہ وہ شیخ سدّو کے گلگلے، سید احمد کبیر کی گائے اور سید سالار کے جھنڈے کو بھی بند کرائیں۔ اس طرح اہل سنت کو بھی فائدہ پہنچا اور غفران مآبؒ کی تحریک کی اتنی غیر معمولی کامیابی کو تائید خدا سمجھا گیا۔ شیخ الفقہا شیخ محمد حسن نجفی صاحبِ جواہر لکھتے ہیں:

> ''زندہ کرنے والے مذہبی رسوم کے، آباد کرنے والے اس کی منزلوں کے، وہ ماہتاب جس کا طلوع گمراہوں کی ہدایت، وہ شہسوار جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا، جن کی نگہداری میں اسلام کے ستون سربلند ہوئے۔'' (ظل ممدود)

مفتی میر عباس صاحب جناب غفران مآبؒ کے صاحبزادوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

''اے رفعت و بلندی کے مالک، اے ورع و تقویٰ کی جائے پناہ، اے ہدایت کے نور، اے آفتاب روز آپ کے سبب سے ہماری سرزمین پر شریعت حضرت محمد مصطفیٰؐ ظاہر ہوئی۔ اگر آپ نہ ہوتے، اے میرے سرداران ملّت، تو ہمیں خبر بھی نہ ہوتی کہ ہمارا دین و مذہب کیا ہے۔ کیا کہنا آپ لوگوں کا کہ جو شخص آپ کی زیارت کرے وہ ہدایت پا جائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو کثیر علم کا مالک بنایا، ناک رگڑ دینے کو دشمنوں کی۔ میرا فخر ہے کہ میں ہدایت حاصل کرنے والا ہوں، اس یگانۂ عصر، امام سے'' (رطب العرب ص۔ ۸۲)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں:

بلاتشبیہ ہمارے اس ہادیٔ دین نے ہندوستان میں وہی کام کیا جو مدینہ میں ان کے جدنامدار نے۔۔۔۔ اس خاندان ہدایت کے دشمن بدخواہ ہمیشہ روسیاہ رہیں گے۔۔۔۔ تمہارے گھروں میں جو چبوترے بھنگ نوشی کے تھے، ان پر سجّادے بچھوا دیئے، تمہاری نذر و نیاز میں جو شیخ سدّو کا بکرا، شیخ فرید کی شیرینی، بابا شکر گنج کا کونڈا، شاہ مدار کی کندوری، سید سالار کی بیرق جاری تھی، اب عمل گوسفند اور حضرت عباسؑ کی حاضری اور علم و تعزیہ بنام شہدائے کربلا جاری کرائے۔

مولانا محمد حسین صاحب قبلہ نوگانوی تاریخ العلماء میں لکھتے ہیں:

آپ کا فضل و کمال، علوئے مرتبت و اجلال بیان سے باہر ہے۔ فقط یہی کافی ہے کہ ہندوستان میں دین اسلام آپ ہی کے وجود سے پایا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اہل علم پر کیا جہلاء پر بھی آپ کا احسان ہے۔ جیسے حضرت علیؑ کی تلوار آبدار نے سرکشان عرب کو زیر کر دیا اور لات، عزّیٰ اور منات تینوں کو طاقہائے حرم سے منھ کے بل گرا دیا، ایسے ہی ہندوستان میں اگرچہ برائے نام تشیع تھا مگر کہیں نقشہ بھنگ نوشی، کہیں

احمد کبیر کی گائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں بھی دلدار علی کے سیفِ قلم نے ہندوستان کو جو کفرستان تھا دار الایمان بنا دیا۔ یہ آپ کے خلوص کا اثر ہے جو جا بجا اس زمانہ پر آشوب میں پھر کر، دشمنوں میں رہ کر، عرب و عجم کا سفر دور دراز کر کے، علوم دینیہ حاصل کر کے تحت قبہ ابی عبداللہ الحسینؑ جو دعا مانگی تھی کہ میری اولاد میں تا قیامت علم دین باقی رہے، سو بحمد اللہ اب تک ہے اور انشاء اللہ باقی رہے گا اور آپ کا خاندان، خاندانِ اجتہاد کے نام سے قائم ہوگیا۔ (تاریخ العلماء ص۔ ۱۴۷)

مولانا اعجاز حسین صاحب برادر مولانا حامد حسین صاحب لکھتے ہیں:

انھوں نے ہندوستان کے شہروں میں دین کو زندہ کیا اور بدعت و جاہلیت کے آثار کو محو و باطل کر دیا۔

اس سے بڑھ کر ان کی خوش قسمتی اور کامیابی کیا ہوسکتی ہے کہ ان کے سامنے ہندوستان بھر میں شیعیت سر اٹھا کے کھڑی ہوگئی اور لکھنؤ اس کا مرکز بن گیا جس کے در و دیوار پر شیعیت چھا گئی اور اس طرف عام میلان ہوگیا۔ ہندو تک تعزیہ داری کرنے لگے اور کثرت سے علماء، فضلاء، اطباء، شعراء اور بافہم افراد شیعہ ہوگئے۔ مرزا جعفر علی فصیحؔ مثنوی نان و نمک میں فرماتے ہیں:

حامئ دیں، ماحئ کفر وضلال
سرگروہِ عالمان باکمال
علم سے جس کے عمل توام ہوا
دین جس کے زور سے محکم ہوا
لکھنؤ اب سبز وار ہند ہے
دم بدم افزوں بہار ہند ہے

لیکن وہ حالت پیدا نہ ہونے پائی جو سنّی حکومتوں میں شیعوں کی تھی۔ خاص لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل کا ہندوستان میں سب سے بڑا علمی خاندان اور سب سے بڑی درس گاہ (مدرسۂ نظامیہ) اور کثرت سے علماء موجود تھے، جمعہ و جماعت و موعظہ سبھی کچھ ہوتا تھا۔ حکومت میں ان کا اتنا اثر تھا کہ اس زمانہ میں قضا اور افتاء کی مسند پر وہی متمکن تھے۔

غفران مآبؒ نے حکومت سے اپنے کو علاحدہ رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ نائبِ امام کا حکومت کے سامنے جھکنا اوراس کی درباداری کرنا منصب نیابت کی توہین اوران مشاغل میں کمی واقع ہونے کا سبب ہے جو اس عہدہ کے فرائض میں داخل ہیں۔ ان کی اس علاحدگی اور بے نیازی کی وجہ سے آصف الدولہ کو ان سے اوران کی تحریکوں سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ معمولی معمولی آدمی خطابات سے سرفراز ہوئے۔ مگر غفران مآبؒ زندگی بھر مولوی صاحب کہے گئے۔ شعراء کے وظائف معین ہوئے، صوفیوں اور ولیوں پر عنایتیں ہوئیں۔ گورکھپور شکار کھیلنے گئے وہاں محرم کا چاند نکل آیا۔ ایک صوفی کو (جومیاں صاحب مشہور تھے) تعزیہ رکھے ہوئے دیکھا ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر دے آئے، جو اب تک موجود ہے، مگر غفران مآبؒ ان کے شہر میں تعزیہ داری اوراس کی تبلیغ کرتے رہے اور آصف وہیں بیٹھے لکھ لٹاتے رہے لیکن غفران مآبؒ پر ان کی چشمِ کرم کبھی نہ پڑی۔ ہاں آصف الدولہ کو ان کے علمی وروحانی فیوض وبرکات کے بڑھنے سے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی طرح اپنی حکومت کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا اوران پر کسی طرح کی پابندی عائد نہیں کی، بلکہ خود بھی تعزیہ داری وغیرہ بڑے انہماک سے کرتے رہے۔ اتنا موقع میسر آتے ہی ایک حقیقی نائبِ امام نے دنیا کے سامنے ائمہ اہلبیتؑ کی سیرت، علمی وروحانی منزلت اور صحیح اسلامی تعلیمات کا اور گھر والوں کو ایک ایسا نمونہ بنا کے پیش کیا کہ قلوب ان کی طرف جھک گئے اور ایک تازہ انقلاب پیدا ہوگیا۔ دنیا نے مان لیا کہ وہ اپنے علمی تبحر اور سیرت وکردار کی بلندی سے آفتاب ہدایت بن کے طالع ہوئے اور اپنی علمی موشگافیوں سے عقول کو حیران کردیا۔ لوگ دین خدا میں گروہ درگروہ داخل ہوئے جس میں جبر کا کوئی دخل نہ تھا، بلکہ آپ سن چکے ہیں کہ حکومت کے معاملات میں علمائے فرنگی محلی دخیل تھے یہاں تک کہ آصف الدولہ کا زمانہ ختم ہوا اور نواب سعادت علی کا دور ہوا۔ اس وقت بھی حکومت کے حاشیہ پر علمائے فرنگی محل ہی نظر آتے ہیں اور غفران مآبؒ کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

۱۲۳۵ء میں انھوں نے انتقال کیا۔ ۱۲۰۰ء سے انھوں نے لکھنؤ میں تبلیغ شروع کی اور پینتیس برس میں شیعی دنیا میں انقلاب پیدا کرکے مذہب شیعہ کی تجدید کی۔ یوں تو ہر صدی میں ایک مجدد مذہب پیدا ہوتا رہا ہے، ان لوگوں نے آثار اہل بیتؑ کو جمع کیا اور فقہ مدون کی، شیعوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ کرسکے اور یہ ان کے حالات کے مطابق تھا۔ تیرھویں صدی کے مجددِ مذہب غفرانمآبؒ تھے۔ انھوں نے عقلی دلیلوں سے مذہب اہلبیتؑ کو ثابت کیا۔ شیعوں کو حقیقی شیعہ بنایا اور ان

کی تعداد میں بے حد اضافہ کیا۔ ہر جگہ کے شیعوں کو ان کے مذہب سے باخبر کردیا اور جو پیری مریدی کے رواسم اور نذر ونیاز جاری تھی اس کو بند کرادیا۔ ان کی زندگی میں ہندوستان میں شیعہ ایک قوم کی حیثیت سے سر اُٹھا کر کھڑے ہوگئے۔ اس غیر معمولی کامیابی کو دیکھ کر حجۃ الاسلام مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی مجتہد العصر نے فرمایا

ندید چشمِ فلک مثل ایں مجددِ دیں
کہ شاہداند بفضل وبزرگیش اعدا

ان کا فیض ہندوستان تک محدود نہیں رہا، وہ کربلا ونجف تک پہنچا۔ انھوں نے اپنے دورِ قیام میں محسوس کیا کہ اہل کربلا ونجف کو پانی کی تکلیف ہے۔ انھوں نے آصف الدولہ کو آمادہ کرکے ایک نہر کربلا سے نجف تک کھدوائی جس پر اسی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں۔ ۱۲۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ امجد علی شاہ نے ان کو غفران مآبؒ کہنا اور لکھنا شروع کیا۔ اس وقت سے وہ غفران مآبؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ شیعیت کی یہ تجدید عہد آصف الدولہ کی بڑی خصوصیت ہے جس میں سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں نائب السلطنت کا بڑا ہاتھ ہے ان ہی کی اعانت سے غفران مآبؒ عراق گئے اور وہاں سے آئے تو انھیں نے ان کو کتابیں فراہم کیں ان کی کفالت کی اوران کے امور میں سہولتیں بہم پہنچاتے رہے۔ تقریباً ایک فرلانگ لمبی اور چوتھائی فرلانگ چوڑی زمین ناف شہر میں دی جس کے ایک سرے پر انھوں نے اپنا مکان اور دوسرے سرے پر امام باڑہ بنایا۔ ان کے بعد ان کی اولاد نے اپنے مکانات بنوائے جس سے بیچ کی ساری جگہ بھر گئی۔ غدر کے بعد وکٹوریہ اسٹریٹ نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کردیا اور بہت سے مکانات گرادیئے گئے۔

قبرستان

لکھنؤ میں شیعوں کا کوئی قبرستان نہ تھا۔ انھوں نے اپنے امام باڑہ کے آگے بہت بڑا قطعہ زمین قبرستان کے لئے وقف کیا۔

یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں

آصف الدولہ کے بعد ان کے سوتیلے بھائی سعادت علی خاں ۱۲۱۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے تال کٹورے کی کربلا اور حضرت عباس کی درگاہ بنوائی۔ اس کے گنبد پر سونا

چڑھوایا اور محرم کے دس دن عزاداری ہوتی تھی، انھوں نے چہلم تک عزاداری بڑھادی۔

شاہ زمن غازی الدین حیدر

سعادت علی خاں کے فرزند اکبر غازی الدین حیدر ۱۲۲۹ھ/ ۱۹۲۴ء میں ان کے بعد تخت نشیں ہوئے انھوں نے روضہ حضرت علیؑ کی نقل بنوائی اور کئی کروڑ روپیہ کمپنی کو دیا کہ اس کا سود زائرین ومجاورینِ کربلا پر تقسیم کیا جایا کرے۔ ۱۲۳۵ھ میں دس ہزار کئی سو روپیہ ماہوار وہاں تقسیم ہوتا تھا جب کہ سود کی شرح ٦ / آنے سیکڑہ تھی اس کو دس روپئے سود کی شرح کے حساب سے لاکھوں روپیہ تقسیم ہوتا ہوگا۔

غازی الدین حیدر کے اکلوتے بیٹے نصیر الدین حیدر

۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے پار میں کربلا بنوائی اور عزاداری پہلی محرم سے آٹھویں ربیع الاول تک بڑھادی جو اب تک سارے ہندوستان میں ہوتی ہے۔

سلطان العلماء سید محمد مجتہد العصر

سلطان العلماء سید محمد مجتہد العصر نے جمعرات کی مجلس قائم کی۔

ابوالفتح معین الدین محمد علی شاہ

بادشاہ بیگم اور منا جان کی گرفتاری کے دوسرے دن آٹھ جولائی ۱۸۳۷ء ۱۲۵۳ھ محمد علی شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے مجتہد العصر سید محمد صاحب نے تاج شاہی سر پر رکھا۔

سلامی کی توپیں سر ہوئیں، نذریں گذریں۔ ابھی وہ حکومت سنبھالنے بھی نہ پائے تھے کہ بائیس دن کے بعد رزیڈینٹ نے ایک نیا عہد نامہ دستخط کے لئے پیش کیا جس میں دو باتیں اہم تھیں ایک یہ کہ فوج اور کم کردی جائے دوسری یہ کہ اگر ملک کے کسی حصّہ میں بدنظمی پائی گئ تو کمپنی اس پر قبضہ کرلے گی اور اس وقت تک اپنے قبضہ میں رکھے گی جب تک مناسب سمجھے گی۔

شجاع الدولہ کے زمانہ سے یہ صورت پیدا ہوگئی تھی کہ یا انگریزوں کی شرطیں منظور کرو یا حکومت سے ہاتھ دھوؤ۔

ع   بمرگش بگیر تا بہ تپ راضی شوی

کی بنا پر سب انگریزوں کی شرطیں منظور کرتے رہے۔ محمد علی شاہ نے بھی دستخط کردی۔ ترسٹھ برس کی عمر تھی، امراض نے گھیر لیا تھا، بینائی کم ہوگئی، رعشہ اتنا تھا کہ اپنے ہاتھ سے کھا بھی نہ سکتے تھے مگر سوجھ بوجھ اور انتظامی صلاحیت جوان تھی سعادت علی خاں کے زمانہ میں امور سلطنت میں شریک تھے۔ حکیم بندہ مہدی کو وزارت سپرد کی۔ علمائے فرنگی محل کو قضا و افتاء کی مسند پر بحال رکھا۔ نئے دفاتر اور نئے قاعدے جاری کر کے نظام مملکت کو چست و درست کیا۔ ہر طرف واہ واہ ہونے لگی۔ امور مملکت اور عقبیٰ کے سوا کسی طرف توجہ نہ تھی۔ ایک عالی شان جامع مسجد کی بنیاد رکھی جو نقشہ کے لحاظ سے دہلی کی جامع مسجد سے وسعت اور شان میں بڑھی ہوئی تھی، نصف تک بننے پائی تھی کہ انتقال ہوگیا۔

جمنیا باغ میں حسین آباد کا امام باڑہ نہایت خوبصورت تعمیر کرایا۔ اس کے دونوں پہلوؤں میں چار سو مکانات شہر کے بے گھر ناداروں کے لئے بنوائے۔ ایک حصّہ کا نام ''شریف منزل'' اور دوسرے کا ''رئیس منزل'' ہے۔ ''رئیس منزل'' میں وہ لوگ رہتے ہیں جو برائے نام کرایہ دے سکتے ہیں۔ شریف منزل کا کرایہ نہیں ہر مکان میں پختہ کمرہ ودالان وصحن وپاخانہ اور باورچی خانہ ہے۔ بمبئی میں حجاج وزائرین کے لئے مسافر خانہ تعمیر کرایا چار روپیہ سیکڑہ سود پر پچاس لاکھ روپیہ ان سب کے مصارف اور دیگر امور خیر کے لئے کمپنی کے پاس جمع کئے۔

سید حسین صاحب مجتہد العصر سید العلماء (خلف غفران مآبؒ) نے نہر آصفی کے جابجا سے پٹ جانے اور زائرین ومجاورین کربلا ونجف کو پانی کی تکلیف سے مطلع کیا اور اس کی درستی کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ بتایا۔ انھوں نے وہ رقم فوراً ان کے حوالے کی جو رزیڈنٹ کے ذریعہ ہائی کمشنر بغداد کو بھیج دی گئی کہ وہ آقا سید ابراہیم صاحب ضوابط الاصول کو دے دیں۔ اس وقت وہ عراق کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کو لکھا :-

اَبُوْ الْفَتْحِ مُعِیْنُ الدِّیْنِ مُحَمَّد عَلِیٰ شَاہُ خَلَّدَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ مَقْرُوْنَۃً بِالعِزِّ وَ الْجَاہِ حَیْثُ اِنْ رَغْبَۃِ اِلیٰ خِدْمَاتِ الْمَشَاھِدِ الْکَرِیْمِ سَلَامُ اللّٰہِ عَلیٰ اَعْقَابِھَا وَعَلیٰ مَنْ جُلَّ بِتُرَابِھَا لَمَّا سَمِعَ خَبَرَ اخْتِلَالُ النَّھْرِ الْحُسَیْنِی الطَّفِّ طباعہ اِلَی تَتْمِیْمِ وَتَصْفِیَۃِ وَتَرْمِیْمِہٖ دَفْعاً لِمَضَرَّۃِ السَّائِرِیْنَ وَ حُلْیًا لِمَسَرَّۃِ الزَّاْئِرِیْنَ فَاَمَرَ سَدَّ ان خزانۃ العَامِرَۃِ وَاَشَارَہ بِاَنَامُلِہٖ الْھَاصِرَۃِ اِلیٰ اِرْسَالِ مِاَئَۃِ وَخَمْسِیْنَ رُوْبِیَۃً لِکَھْنَوِیَّۃ وَجَعَلَ امراۃً وَتَوْلِیَۃً اِلَیْکَ بِالْتِمَاسِ اَقَلِّ الْبَرِیَّۃ

وَھَاھِیَ مُرْسَلَۃٌ اِلَیکَ بِوَسَاطَۃِ الْاِنْکِلِسِیَّۃِ۔

ابوالفتح معین الدین شاہ نے بسبب انتہائی رغبت کے جو انھیں مشاہد مشرفہ کی خدمت کے ساتھ ہے جب نہر حسینی کے خلل پذیر ہونے کی خبر سنی تو اس کی درستی کے لئے خزانہ شاہی سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ بسکۂ لکھنؤ بھیجنے کا حکم دیا اور میری التماس سے اس کی نگرانی آپ کے متعلق کی انگریزی حکومت کی وساطت سے یہ رقم آپ کو بھیجی جاتی ہے۔ (ظل ممدود مرتبہ مفتی میر عباس صاحب)

تیس ہزار روپیہ روضۂ حضرت عباسؑ کے نقرئی دروازوں کی تجدید اور ایوان طلا کی تعمیر کے لئے بھیجے یہ روپے اور خط پہنچنے کے بعد آقا سید ابراہیمؒ نے رسید کا جو خط بھیجا اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:-

ثُمَّ لَا یَخْفَی عَلٰی جَنَابِکُمْ اَنَّ الْمَبْلَغَ الَّذِیْ لَعَطَفَ بِاِجْمَالِہٖ وَتَلَطَّفَ بِاِرْسَالِہٖ وَتَحَمَّلَ بِفَضْلِہٖ تَبْجِیْلَ بَیْرِہٖ وَجُوْدَہٗ وَطَوْلَہٗ الْمَلِکُ الْاَفْخَمُ وَالسُّلْطَانُ الْاَحْشَمُ الْاَکْرَمُ اَمِیْرُ الْاُمَرَاءِ الْعِظَامِ ظَھِیْرُ الْعُلَمَاءِ الْفِخَامِ حَامِی الشَّرِیْعَۃِ بِالْغَرَاءِ وَنَصِیْرُ الْفِرْقَۃِ الْحَقَّۃِ الْمُحَقَّقَۃِ شِیْعَۃِ الْاَئِمَّۃِ النُّقَبَاءِ عَلَیْھِمُ الْاَلْفُ التَّحِیَّۃِ وَالثَّنَاءُ مَدَّ اللّٰہُ فِی اِطْنَابِ ظِلَالِہٖ عَلٰی مَفَارِقِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَمَّرَ اللّٰہُ بِحُدُوْدِ مُلْکِہٖ الشَّرِیْفِ مَدَارِسَ عُلَمَائِہٖ الْاَطْیَبِیْنَ لِاِصْلَاحِ مَا انْکَسَرَ مِنْ رَوْضَۃِ مُرَبِّی النَّاسِ اَخِی الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَھُوَ ثَلٰثُوْنَ اَلْفِ رُوْبِیَّۃٍ قَدْ وَصَلَ وَبِمُضِیِّ مُدَّۃٍ اِشْتَغَلَ بِاِصْلَاحِ ذَالِکَ وَالْمَحَلِّ کَمَا رَقَمَ السُّلْطَانُ الْاَجَلُّ وَلَعَمْرُ اللّٰہِ لَنِعْمَ مَا فَعَلَ وَحَبَّذَا مَا اھْتَدٰی فَدَلَّ فَاِنَّہٗ اِسْمٌ یَبْقٰی وَالسِّنِیْنُ وَالْاَعْوَامُ اِلٰی قِیَامِ الْقِیَامِ لَازَالَ فِی تَوْفِیْقِ اللّٰہِ وَعِنَایَتِہٖ مُفْضِی الْمُنٰی بِحِمَایَۃٍ۔ وَقَدْ تَسَلَّمْتُ قَبْضَ وُصُوْلِ الْمَبْلَغِ الْمَزْبُوْرِ فِی بَغْدَادِ الْمُسْنَدِ الْاَخْیَارِ الْبَایُوْزِ لَعَلَّہٗ اَرْسَلَ وَوَصَلَ اَیْضًا الْمَبْلَغُ الَّذِیْ اَرْسَلْتُمُوْہُ مِنْ بَابِ اللُّطْفِ وَالْاِحْسَانِ لِاَھْلِ الْفِقْہِ وَالْاِیْمَانِ سِیَّمَا الْھِنْدِیِّیْنَ الْقَاطِنِیْنَ فِی ھٰذِہِ الْمَطَانِ وَھُوَ ثَلٰثَۃُ الْاٰفٍ وَثَلَاثُ مِائَۃٍ وَثَمَانٍ وَسِتُّوْنَ رُوْبِیَّۃً رَائِجَۃَ الْعِرَاقِ فَجَعَلْتُہٗ نِصْفَیْنِ وَرَاعَیْتُ فِی اَدَائِہٖ عَلَی الْفَرِیْقَیْنِ مَا اُمِرْتُ قَاصِدًا مِنْہُ اِبْرَاءَ ذِمَّتِہٖ ذَالِکَ الْمُؤَیَّدُ الْمُوَفَّقُ زِیْدَ مَجْدُہٗ وَتَوْفِیْقُہٗ مِنَ الْمُسْتَحِقِّیْنَ سَتَصِلُ اِلٰی جَنَابِکُمْ مَعَ ھٰذِہِ الذَّرِیْعَۃِ قُبُوْضَۃٌ کَمَا وَصَلَ اِلَیْھِمْ قُبُوْضُہٗ وَالَّذِیْ اَمَرَبِہٖ سُلْطَانُ الْاَعْظَمُ دَامَ اللّٰہُ اِحْسَانَہٗ لِلْمُؤْمِنَۃِ الْھِنْدِیَّۃِ الْمُسَمَّاۃِ سَکِیْنَۃَ خَانَمْ وَھُوَ ثَمَانُ مِائَۃٍ وَاثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ رُوْبِیَّۃً بِرَائِجِنَا فَقَدْ وَصَلَ اَیْضًا وَاَصِلُہٗ اِلَیْھَا وَسَیَصِلُ اِلَیْکُمْ قَبْضُ

الْوُصُوْلِ۔ (ظِلِّ مَمْدُوْدُ)

مخفی نہ رہے جناب پر کہ وہ رقم جو بنظر مرحمت واحسان روانہ کی بادشاہوں کے بادشاہ، علماء کے پشت وپناہ، شریعت غرا کے حامی، فرقۂ شیعہ کے مددگار (خدا ان کا سایہ قائم رکھے) روضۂ حضرت عباسؑ کی شکست وریخت کی اصلاح کے لئے، وہ تیس ہزار روپے پر مشتمل تھی، وصول ہوئی اور کچھ مدت سے میں حضور بادشاہ کی تحریر کے بموجب اپنی نگرانی میں اس کام کو انجام دلا رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ ممدوح نے یہ بہترین خدمت انجام دی ہے جس سے ان کا نام قیامت تک باقی رہے گا۔ میں نے اس کی رسید بغداد میں بالیوز کے سپرد کر دی ہے غالباً انھوں نے بھیجی ہوگی نیز وہ رقم جو آپ نے از راہ لطف واحسان فقراء اور اہل ایمان کے لئے عموماً اور ہندوستانیوں کے لئے خصوصاً جو ان اطراف میں مقیم ہیں اور وہ تیس ہزار تین سو اڑسٹھ روپیہ سکّہ رائج الوقت عراق ہیں۔ وہ بھی وصول ہوئے اور میں نے اس کو آپ کی ہدایت کے بموجب ہندوستانیوں اور غیر ہندوستانیوں کے لحاظ سے دو حصوں پر برابر تقسیم کر دیا ہے اور اس کی رسید بھی آپ کو پہنچے گی۔ نیز بادشاہ معظم نے ایک ہندوستانی مومنہ سکینہ خانم کے لئے جو آٹھ سو بیالیس روپے ہمارے سکے سے روانہ کئے ہیں، وہ بھی پہنچے۔ میں نے ان مومنہ تک اسے پہنچا دیا۔ اس کی رسید بھی آپ کو مل جائے گی۔

سامرہ میں امام حسن عسکریؑ کے روضہ کی چہار دیواری بنوائی اور گنبد پر سونا چڑھوا دیا اور ایک مسافر خانہ فردوس کے نام سے بنوایا۔ حضرت حر کی قبر پر ایک خوبصورت عمارت بنوائی۔

خطّاطی

فن خطاطی نے اس زمانہ میں بڑا عروج حاصل کیا۔ خود ملکہ جہاں (زوجہ محمد علی شاہ) اس فن میں کمال رکھتی تھیں۔ انھوں نے پورا قرآن لکھ کے پندرہ پارے حضرت علیؑ اور پندرہ پارے امام حسینؑ کے روضہ پر چڑھائے۔ جناب سیدہؑ کی سوانح عمری دو ڈھائی سو صفحے کی لکھی۔

سید میرزا اُنسؔ اور جیالال گلشنؔ نے اس میں کمال حاصل کیا۔

شاعری

ناسخ نے اس عہد میں انتقال کیا۔ اب میدان سخن میں صرف آتشؔ تھے اور وہ بھی چراغ سحری۔ دونوں کے شاگرد گروہا گروہ تھے۔ شعر وسخن کا چرچا عام تھا۔

میر ضمیرؔ اور ان کے شاگرد مرزا دبیرؔ کا مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں شہرہ تھا۔ میر انیسؔ فیض
آباد میں رہتے تھے، کبھی کبھی لکھنؤ آ کے اپنا سکہ بٹھا جاتے۔

منشی لطف علی نے موی ضریح بنائی جس کا کام نہایت نازک ہے اور شدید گرمی میں ہزاروں
شمعوں کے بیچ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ ضریح بہت پسند کی گئی اور محمد علی شاہ نے اپنے امام باڑے کو اس
سے زینت بخشی۔ حقیقت میں یہ عجیب وغریب ضریح ہے، جس کو دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔ تقریباً بارہ
فٹ اونچی ضریح ہر سال تیار ہوتی ہے۔ یہ صنعت اس خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔ دوسروں نے
نقل کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ شہر کی زینت و آرائش میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔
مرزا رجب علی بیگ سرورؔ نے لکھا ہے کہ:

شہر کی ترقی

پھر زینت شہر کا جو خیال ہوا، مزدور ہر ایک مالا مال ہوا۔ دل کشا
سے تا درِ سید الشہداؑ کہ حسین آباد میں امام باڑہ بنا ہے۔ ایسی نادر سڑک
بنوائی کہ ناظرین آنکھیں بچھاتے ہیں، افسردہ دل بشاش ہوجاتے ہیں۔
یہ کیفیت بھی ہزاروں برس زمانے میں یادگار رہے گی، خلق خدا دیکھ کے
سبحان اللہ کہے گی۔ شرق سے غرب تک، ہند سے عرب تک اس کا مذکور
ہوگا، معمورۂ خراب آباد میں یہ شہر مشہور ہوگا۔ واہ کیا شستہ ورفتہ ومصفا
ہے۔ اگر صفائے عارض خوباں سے مثال دیجئے تو ناروا ہے۔ وہ عارضی
ہے، اس کو قیام ہے۔ یا شیشۂ حلب سے نسبت کیجئے، تو بیجا ہے، کہ بقول
مشہور وہ شیشۂ باشہ ہے، یہاں استحکام ہے۔ عجب راہ ہے، تنہا چلے
جاتے ہیں، دو نظر آتے ہیں، ہمزاد کی صورت کوئی ہمراہ ہے۔ اس قدر
شفاف اور مصفا ہے کہ عکس خط استواء صفحہ دنیا پر ہویدا ہے۔ دل گرفتہ اور
خاطر فسردہ کو تفریح ہوتی ہے، اس کی سیر حزن وملال کھوتی ہے۔ کیسا ہی
خفقان ہو، دور ہو، جگر کو طاقت، دماغ کو فرحت، آنکھوں میں نور، دل کو
سرور ہو۔ مریضوں کی دوا ہے، سڑک نہیں بیت الشفا ہے۔ گرمی کی فصل

میں سہ پہر کو چار طرف سڑک پر آب پاشی کے باعث فضا ہوتی ہے۔ گرد
کسی کے گرد نہیں پھٹکتی، وہ ہوتا ہے اور ٹھنڈی ہوا ہوتی ہے۔ راہ راست
جو سنتے تھے، بدولتِ سلطانِ زماں تنگ نائے وسمت کے سرگشتوں نے
پائی۔ باب امید وکامیابی کی سیدھی راہ ہاتھ آئی۔ لولے لنگڑے بے
تکلف چلے آتے ہیں۔ اندھے بھی خانۂ مراد تک بے منتِ غیر پہنچ جاتے
ہیں۔ دورستہ بازار سڑک پر تیار ہے۔ روم وشام کی اشیاء نادر کا ہر صبح جا بجا
انبار ہے۔ اور دکانوں کا وہ ڈھنگ ہے کہ عقلِ رسا دنگ ہے، انداز نیا،
جہاں نیا، طرز جُدا جُدا جس سقف وجدار کو دیکھا رنگا رنگ ہے۔ کسی جا چاہِ
عمیق مثلِ فکر عقلاء، نخشب کے کنوئیں سے تحفہ۔ کہیں غلہ کا انبار اور پَن
چکی ہے۔ گچ کے کام سے آبروئے ریختہ ریختہ، جو شے ہے پکی
ہے۔ بازار بے آزار، ہوا سرد وسیر ہے، جو وہاں نہ پہنچا اس کی قسمت کا
پھیر ہے۔

باب امید وکامیابی کا جو پتہ ہے وہ کیا ہے۔ یعنی ادھر تو در دولتِ
ابد مدت اور اُدھر حسین آباد کے امام باڑے کی بنا ہے۔ سڑک سے مثال
ہلال عید نمایاں ہے۔ جل جلالہٗ کیا شوکت وصولت ہے۔ بُرج طلائی
خورشید نمط درخشاں ہے۔ رفعت دالان، شکوہ گنبد مطلا پر مُرغ زرین
جناح کنگرۂ چرخ ہر مساء وصباح نثار ہوتا ہے، صدقے گردون دوّار ہوتا
ہے۔ شوکت وبلندئ سپہر بریں ساکنان زمین کی نظروں سے گر گئی۔
نیرّ تاباں کے منہ پر خجالت سے زردی پھر گئی۔ دمِ نظارہ یا طوافِ امام باڑہ
دیدہ ودل دولتِ کونین حصول کرتا ہے۔ ایسی ہی بنا بانئ ارض وسما مقبول
کرتا ہے۔ درِ اجابت برائے حاجت مندان وا ہے، ماتم خانۂ شاہ شہداء
ہے۔ جس دم ضریح پاک نظر آئی، دل خون، دیدہ جیون ہوا، چھاتی
بھر آئی۔

شیشہ آلات اس قدر ہے کہ حلب والے حسرت سے منہ تکتے

ہیں، حیران ہیں۔ جھاڑوں کی یہ کثرت ہے کہ ساکنان فرنگ ہاتھ جھاڑ بیٹھے، سر در گریبان ہیں۔ قندیل بے عدیل سونے چاندی کی ظاہر نگاہ، ہزار در ہزار علمہائے نادر، جن کے دیکھے الم آل عبا ہو۔ خلاصہ یہ کہ امام باڑہ ہو، تو ایسا ہو۔ صحن میں حوض مصفّا، پانی سے ملبّب بھرا، تشنگیٔ اہلبیتؑ کی لہروں سے یاد دلواتا، ڈبڈبائی آنکھ سے کم نہیں۔ کس چیز کو حسین علیہ السلام کا غم نہیں۔

عیش باغ میں بنائے آصفی موتی جھیل ہے، اس عزاخانے میں بانی جس کا محمد علی شاہ ہوا، یہ نہر رشک کوثر، نمونہ سلسبیل ہے۔ موجوں سے غم خامسِ آلؑ عبا پیدا ہے، چشمۂ فیض چھلک رہا ہے۔ سنگ ریزہ اس کا گوش حور کا آویزہ، فخر دُر یکتا ہے، پانی پانی اس کے رشک سے دریا ہے۔ مختصر سا اس میں پُل ہے، صناعی میں بالکل پری کی صورت ایک جہاز ہے۔ دمِ رفتار ثابت ہوتا ہے کہ سرگرمِ پرواز ہے۔ نہر کے دونوں طرف مقبرے ایسے رفیع نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والے روضۂ تاج گنج کو بھول جاتے ہیں۔ بسکہ روز مرگ پیش نظر ہے، یہ آرام خانہ تا بہ محشر ہے۔ صحن سبزہ زار ہے، باغ سے زیادہ بہار ہے۔ روشوں پر جانوروں کے گھر عجیب ہیں، طائرانِ غریب ہیں۔

رومی دروازے کی نقل جلوخانے کا وہ نادر تر پولیا ہے، جو حواس خمسہ بشر کھوتا ہے۔ دروں کو دیکھ کے انسان ششدر رہو، جس دم مدّ نظر ہو، مقابلے میں رومی دروازہ چشم حیرت کی طرح وا ہے۔ بہ نظر حسرت اُسے تکتا ہے، سہ پہر کو وہاں سیر گزری نظارہ ہر رہ گذری ہے۔ مینا بازار کا جلسہ روز صبح ہو جاتا ہے، ایک جہان لینے دینے کو آتا ہے۔ کسی جا کبوتر گرہ باز، شاہ جہاں پور کے بلند پرواز، کہیں شیرازی گلی نگار، ایک طرف مکھی نیلے، بھورے، سیمابئے، ببرے، بھورے، گنڈے دار۔ کوئی نیم کی پتی ٹکلی یا کوڑی اُچھال کر بیا سے منگواتا ہے، کسی کا یہ دل گردہ ہے کہ بیا سے

توپ چھڑواتا ہے، کہیں تو تا بنیٹھی جلتی ہلاتا ہے، صنعت دکھاتا ہے۔ کہیں مینا پھڑک رہی ہے، نیل کنٹھ چھوٹتا ہے، کوئی معقول الگ تماشے کے مزے لوٹتا ہے۔ کہیں بٹیر بازوں کا غول ہے، کہیں لوے تیتر کا مول تول ہے۔

کسی جا ٹینی مرغیاں، کہیں اصیل، کسی طرف انڈے لڑتے، جال میں کوے چیل، خوش رو جوان جھمکڑے کے گھوڑوں پر سوار، ایک سمت فیل نشینوں کی قطار۔ باہم گفتگو ہے کہ یہ مرغ سالار جنگی ہیں، ان میں کوٹھی والوں کا میل ہے، ان کی کھول موند جدا ہے، دانے پانی کا کھیل ہے۔ کہیں اچھت دلّی والے، ہٹی سنگھ کی زیر بندی، ان کے گلے کھیل لاتوں کے عالم نرالے ہیں۔ کچھ ٹکڑے اور چیتے ہیں۔ مرغ بازان کے کانٹوں کی بوچھار سے خار کھاتے ہیں، کاری کے خوف سے خونِ جگر پیتے ہیں۔ کسی طرف کا بکیں اور کھانچے ہیں، ٹھاٹھر اور ڈھانچے ہیں، کہیں بربری بکریاں بکتی ہیں، ایک اوبوک ہے، خریداروں کے باہم نوک جھوک ہے۔

کسی جا سِن رسیدہ عورتیں بُرقع پوش کُرتی، ازار بند، گڑیاں، ہچکیں، لئے موجود، کسی کے روبرو آستین کٹوری، ہتھیلی مسّی سے کبود۔ ایک طرف میوہ فروشوں کی صدا، کہیں سقّوں کے کٹورے کا کھنکنا۔ گرمی کی فصل میں فالودے والے غل مچاتے ہیں، بے فکرے برف کی قلفیاں کھاتے کھلاتے ہیں۔ کسی جگہ کورے گھڑوں میں فرید کی گھاس، گرد اس کے مفلسوں کی ٹھنڈی سانس۔ بانس گڑا، نٹ سر پر گھڑا لے کے چڑھا، کوئی سانپ اور نیولا لڑانے کو بڑھا۔

ایک جا قصّہ خوان امیر حمزہ و عمرو کی داستان۔ نقال جدا نیفہ کھونسے مسخراپن کرتے ہیں۔ ہر ایک پیٹ کے واسطے ظاہر اپنا اپنا فن کرتے ہیں۔ کہیں لونگ چڑے والے، دال موٹھ کے خوانچوں پر جوبن

نرالے۔ایک طرف مچھلی کے پھڑ پھڑاتے کباب، ان کی ماہیت کے جملے بے حساب، پرسیندور کا رنگ، اور کلیجی کے کباب میں مرچ کا تڑاقا، ترشی کا ڈھنگ۔طرح طرح کی آبدار مٹھائی برابر برابر خوانچوں میں رکھی۔ کھٹے چنے پرمزہ بنے۔ ریوڑی کو منھ لگایا اور پھیر میں آیا، دہن معطّر ہوا، حلوہ سوہن کا مزا پایا۔ بزازوں کی دکانیں جُدا، بنارس، ڈھاکہ، چین، گجرات کا ریزا کم مایہ اپنا بقچہ گٹھری لے کے گزی، گاڑھا، سوسی، دھوتر کا بیوپار کرتے ہیں۔دلال اکوائی چھبّے، کٹورے کی تکرار کرتے ہیں۔

صرّافوں کے سامنے اشرفی روپے کا ڈھیر ہے، بھاؤ کی گفتگو، پرکھوں کا مقابلہ، ہزاروں لاکھوں کا معاملہ۔گھن، کلدار، سکہ چیں اور ملتے میں فرق بڑا۔زرق برق جوہری بچے گھیردار جامے پہنے، پگڑی سرپر، کمر پھولی بندھی، مونگا موتی، الماس، زمرّد، یاقوت، پکھراج، نیلم لئے آپس میں عجب طرح کی گھوت سے ٹہلتے ہیں۔تماشائیوں کے دل بہلتے ہیں۔ لین دین سے گرم بازاری ہے گلِ مہندی کا تختہ کھلا، محمد شاہی طرحداری ہے۔کوئی بیلے کی بہار دیکھ کے ہار چکاتا ہے۔کوئی چنبیلی جوہی کی بھینی، بو باس سے بے چین ہوا جاتا ہے۔کوئی ککڑ والے کو بلا کے سُلفے کے دم لگاتا ہے۔ کوئی گانجا چرس کے دھوئیں اُڑاتا ہے۔ غرض کہ جہاں کا ساز وسامان بدولتِ سلطان عادل مہیا ہے۔مصر کا بازار سرد ہوگیا ہے۔ شہر میں امن وامان، ہرایک خوش گزران، راست باز، آسودہ، خوش وخرم ہیں۔کج رفتار سیدھے ہوجاتے ہیں، ہوش گم ہیں۔جس کی طینت میں دغابازی، دل میں نطفہ حرامی ہے۔اس کا سرکوب نظر ناز امامی ہے۔

وہ جو کارواں سرا نمونۂ سرائے ہستی ہے، ہموار بہ تزئین بے شمار بلندی ہے، نہ پستی ہے۔لطف کوچ، مقام کا آرام اُس مقام سے ملتا ہے۔غنچۂ سربستہ دل دیکھنے سے کھلتا ہے۔مکانات خوش قطع مستحکم خوب، صحن وسیع، شستہ ورُفتہ مرغوب۔

گنبد خانہ اس طرح کا بنا، گویا سبقت فلک سے لے گیا اور نوکھنڈے کی کرسی غیرت چرخ بریں ہے، ایسا مکان زیرآسمان بروئے زمین دوسرا نہیں ہے مسجد رفیع صحن جس کا وسیع۔

اللہ تعالیٰ اس بنا کے بانی کو تا قیام قیامت قائم رکھے، سایہ اس کا خلق کے سرپر دائم رکھے۔

جلوس کے دن سے جو کام کیا وہ خیر کا، مکان جو بنایا وہ سیر کا۔

اور کارپرداز بھی خیرخواہ، جاں فشاں، منہدم بنائے شر، فدیۂ سلطان۔

محمد علی شاہ نے چھ سال تک بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کی۔ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں انتقال ہوگیا۔سب کو بے حد صدمہ ہوا۔مجتہد العصر مولانا سید محمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ریزیڈنٹ بھی شریک ہوئے، تلقین مجتہد العصر کے چھوٹے بھائی سید العلماء سید حسین صاحب نے پڑھائی۔جس وقت انھوں نے پکار کے کہا: **اِسْمَعْ اِفْهَمْ یَا مُحَمَّدَ عَلِیِ بْنُ سَعَادَتْ عَلِیْ** تو دنیاوی جاہ وجلال کی بے حقیقی کی تصویر کھنچ گئی۔

امجد علی شاہ ثریا جاہ

محمد علی شاہ کے بعد ان کے بیٹے امجد علی شاہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں پینتالیس/۴۵ برس کے سن میں تخت پر بیٹھے۔ان کا مختصر دور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔وہ بڑے متقی، پرہیزگار اور عابد شب زندہ دار تھے۔مذہب امامیہ میں حکومت، امام کا حق ہے اور زمانۂ غیبت میں نائبِ امام یعنی مجتہد کا۔امجد علی شاہ نے مالک تخت وتاج کے ہونے کے بعد سید محمد صاحب مجتہد العصر کی خدمت میں تخت وتاج پیش کیا۔انھوں نے ان کو اپنا نائب مقرر کر کے ان کی حکومت کو شرعاً جائز کردیا۔ایران میں سلاطین صفویہ بھی یہی کرتے تھے۔

انھیں مجتہد العصر سے بڑی عقیدت تھی۔ان کے گھر پر ملنے جایا کرتے تھے نام لینا بے ادبی سمجھتے تھے۔بڑے قبلہ وکعبہ اور ان کے چھوٹے بھائی سید حسین صاحب مجتہد العصر کو چھوٹے قبلہ وکعبہ کہتے تھے۔نام لینے کی ممانعت تھی اور یہ خطاب دیا تھا:

مجمعِ علومِ دین، مرجعِ سادات ومومنین، حافظِ احکامِ الٰہ، موردِ اعتقاداتِ حضرت امجد علی شاہ، سلطانُ

العلماء قبلہ و کعبہ مجتھدُ العصر مولانا سید محمد صاحب
ابنُ المرحوم مولانا سید دلدار علی غفران مآب۔

ان کے چھوٹے بھائی سید حسین عرف میرن صاحب کو یہ خطاب دیا تھا:

حاویِ علومِ دین، حامیِ سادات ومومنین، حافظِ احکامِ الٰہ، موردعنایات حضرت امجد علی شاہ، سیدُ العلماء مجتھدُ العصر مولوی سید حسین ابن المرحوم سید دلدار علی غفران مآب علیہ الرحمۃ

مجتہد کو قبلہ وکعبہ، سب سے پہلے امجد علی شاہ نے کہا۔ سلطان العلماء اور سید العلماء کی زندگی تک کوئی اور قبلہ وکعبہ نہیں کہا گیا۔ ان کے انتقال کے بہت دنوں کے بعد عام ہوا۔[۱]

امجد علی شاہ نے سلطان العلماء سے حکومت میں اصلاحات کی خواہش کی جس سے وہ بالکل شرعی ہو جائے۔ انھوں نے محکمۂ شرعیہ کی تجویز پیش کی، جس کے ذمہ عدلیہ، فوجداری، آبکاری، امور خبر اور منہیات پر پابندی تھی۔ یہ تجویز منظور ہوئی اور انھیں کی نگرانی میں محکمۂ شرعیہ قائم ہوا اور حکومت کی بالادستی اس پر نہ رہی۔ دیوانی ان کے بڑے بیٹے مولانا محمد باقر کے سپرد ہوئی۔ منصف الدولہ شریف الملک خطاب ہوا۔ فوجداری ان کے دوسرے بیٹے محمد مرتضیٰ کے سپرد ہوئی، خطاب خلاصۃ العلماء ہوا۔ قتل وقصاص وآبکاری خود سلطان العلماء نے اپنے پاس رکھی۔

نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں کہ شہر سے پانچ کوس تک کہیں شراب کا نام نہ تھا۔ دوا بڑی مشکل

[۱] غالب نے اپنے بعض خطوط میں سرفراز حسین اور ان کے چھوٹے بھائی میرن صاحب کو لکھا ہے اللہ اللہ اب تو تم پانی پت کے سلطان العلماء مجتہد العصر ہو گئے۔ کہو تم کو وہاں کے لوگ قبلہ وکعبہ کہنے لگے یا نہیں یہ انھیں دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ ہے چونکہ آگے بہت سے نام آنے والے ہیں۔ ان کی وضاحت کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ غفران مآبؒ کے پانچ بیٹے تھے۔ اس ترتیب سے محمد، علی، حسن، مہدی، حسین۔ سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بیٹے نے عظیم شہرت حاصل کی۔ بڑے بیٹے سید محمد یہی اودھ کی تاریخ میں سلطان العلماء بڑے قبلہ وکعبہ مجتہد العصر، رضوان مآب اور چھوٹے بیٹے سید حسین سید العلماء چھوٹے قبلہ وکعبہ علیین مکان ہیں۔

سے دستیاب ہوتی تھی۔ اس زمانے کے مشہور ظریف شاعر میاں مشیرؔ نے شعر کہا

شراب جو نہ پیٔے آج کل وہ ناری ہے
جناب قبلہ وکعبہ کو آب کاری ہے[۱]

عدلیہ سلطان العلماء کے دوسرے بیٹے سید مرتضیٰ صاحب کے سپرد ہوا اور خلاصۃ العلماء خطاب ملا۔ قضاء وافتاء سلطان العلماء کے بھتیجے (سید مہدی صاحب کے بیٹے) سید ہادی صاحب کے سپرد ہوا اور عمدۃ العلماء خطاب عنایت ہوا۔

ہر نظامت پر قاضی مقرر ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اودھ میں شیعہ، مفتی وقاضی مقرر ہوئے۔ علمائے فرنگی محل قضا وافتاء کی مسند پر بحال رہے۔ جو اہل سنت کے مقدمات اپنی فقہ کے فیصلے کی رو سے کرتے تھے۔ صرف اب وہ خاندانِ اجتہاد کی ماتحتی میں آگئے۔ ہندوؤں کے لئے بھی فاضل برہمن قاضی کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ ہم نے پرانے کاغذات میں مفتی دیا شنکر کا نام دیکھا تھا۔

زکوٰۃ کا محکمہ سید العلماء کے چھوٹے صاحب زادے سید علی نقی صاحب کے سپرد ہوا زبدۃ العلماء معین المومنین خطاب دیا گیا۔

خزانہ پر زکوٰۃ عائد ہوئی۔ زبدۃ العلماء تقسیم زکوٰۃ میں بہت محتاط تھے۔ متدّین آدمیوں کو رکھا۔ اور مزید احتیاط سے ایسا نظام تقسیم قائم کیا کہ زکوٰۃ لینے والے کو بارہ جگہ نام لکھوانا پڑتا تھا۔ اس پر کسی نے جل کے کہا ؎

سید نقی کا ظلم وجفا وامصیبتا
بارہ مصدی ایک گلا وامصیبتا

اہم مقدمات کا فیصلہ سلطان العلماء نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ صاحب تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء نے لکھا ہے کہ امجد علی شاہ نے کسی تاجر سے زروجواہر نگار مسند تکیہ تیرہ لاکھ روپیہ کا خریدا۔ عملے نے سات لاکھ دبا لیا۔ وہ بہت دن تک دوڑتا پھرا۔ آخر محکمۂ شرعیہ میں دعویٰ دائر کیا۔ بادشاہ کو جواب دہی کا حکم ہوا۔ مقدمہ کی سماعت ہوئی اور بادشاہ کے خلاف فیصلہ ہوا تاجر کو روپیہ کی ادائی ہوئی۔ حکومت کے عدل وانصاف کی دھوم مچ گئی۔ اس سے متاثر ہو کر مرزا دبیرؔ نے ایک مرثیہ میں بادشاہ کی

[۱] یہ قدیم ترکیب ہے فلاں کو کوتوالی ہے۔ اب کو کی جگہ کی بولتے ہیں۔

تعریف کی۔ یہ دفترِ ماتم جلدِ اوّل کا پہلا مرثیہ ہے مطلع یہ ہے ؎

طغریٰ نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے

چند بند ملاحظہ ہوں ؎

خار جفا سے راستوں کو صاف کردیا
نوشیرواں کو قائل انصاف کردیا
بس عین عدل قاف سے تا قاف کردیا
دنیائے دوں کو تابع اشراف کردیا
چہرہ ستم کا ہے نظری اہل دید میں
اب ظلم چھپ کے بیٹھا ہے قبر یزید میں

ہرشب ہے روز عید عجب روزگار ہے
انصاف سربلند ہے کیا تاجدار ہے
اقبال یارِ شہر ہے کیا شہر یار ہے
اس لطف پر یہ رحمت پروردگار ہے
عالم وہ ہیں کہ قدرت رب آشکار ہے
ہاتھوں سے جن کے مذہب حق پائدار ہے

اوّل جناب مجتہد العصر والزماں
بسم اللہ صحیفۂ آیاتِ عزوشاں
خضر زمانۂ مرجعِ سادات ومومناں
سلطان عالماں، سند معنی وبیاں
چشم وچراغِ مجلس عالم جمال میں
خاص الخلاصۂ بنی آدم کمال میں

بابش علی وختم رسل جد امجد است
اسمش جناب حضرت سید محمد است
درراستی چو حرف نُخستینِ ابجد است
بالا نشینِ منبر و ایوان ومسند است
ایمن شد است شہرز طور جمال او
اے من فدا ئے نور چراغ کمال او

ناجی وہی ہے ان سے جسے اعتقاد ہے
وہ اعتقاد شیعوں کو زاد المعاد ہے
ارشاد وہ بجا ہے کہ اللہ شاد ہے
خیر الجہاد ان کے لئے اجتہاد ہے
شیعوں کو کہئے قبلہ شناس اس بیان سے
کہتے ہیں ان کو قبلہ وکعبہ زبان سے

بعد ان کے سید العلماء مجمع علوم
خاصان ذوالجلال میں کالبدر فی النجوم
اک طبع پاک اور شغل نیک کا ہجوم
اس پر بھی ہے وفور نوازش علی العموم
دنیا کے فخر دین کے بھی زیب وزین ہیں
وجہ حسن یہ ہے کہ سمی حسین ہیں

معنیٔ حلم ولفظ حیا، آیئہ کرم
تقویٰ وزہد وعدل وورع سر سے تا قدم

انصاف کھا رہا ہے مرے قول پر قسم
مطلوب داد نظم ہے، نے شہرۂ رقم
واقف ہے کبریا کہ دروغ وریا نہیں
مطلب کوئی رضائے خدا کے سوا نہیں

اس کے بعد تقریباً سولہ بند اور ہیں:

طوائفوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ توبہ کر کے صالح مردوں سے نکاح کرڈالیں۔ ہجڑوں اور زنانوں کو شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ شرعی قوانین نافذ ہوئے، جن میں تعزیرات بھی شامل تھیں۔

ائمہ اہلبیتؑ کی ولادت ووفات کی تعطیلیں معین ہوئیں۔

مدرسۂ سلطانی قائم ہوا۔ اس کے صدر مدرس سید العلماء کے بڑے صاحب زادے سید محمد تقی صاحب مجتہد العصر بنائے گئے اور ممتاز العلماء فخر المدرسین خطاب ہوا ان کی ماتحتی میں مولانا حامد حسین صاحب (مصنف عبقات)، مفتی میر عباس صاحب، مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی، مولانا الشیخ علی اظہر ایسے یکتائے روزگار مدرسی پر معین ہوئے۔ اس کا افتتاح خود بادشاہ نے ایک پُرتکلف دعوت میں کیا۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیزؔ مرحوم نے تجلیات میں لکھا ہے کہ:

۲ر جمادی الاول ۱۲۵۹ھ جناب سلطان العلماء سید العلماء مع اولاد واصحاب شہر کے تمام فضلاء اور طلباء کو لے کر مہمانی سلطانی میں تشریف فرما ہوئے دیر تک بادشاہ سے باتیں رہیں آخر میں انعام واکرام سلطانی پر فائز ہوئے۔ یہ دعوت بہت پُرتکلف تھی۔

مفتی میر عباس نے اس کے افتتاح کی جو تاریخ کہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ امین الدولہ امداد حسین خان وزیر اعظم کی توجہ دہانی سے قائم ہوا ؎

کرد تحریک درآں امرِ حسن شام وسحر
پیش نواب فلک رتبہ وزیر اعظم
شد بنا مدرسۂ تازہ بامداد حسین
پس ہمیں مصرع تاریخ رقم کرد قلم

سید العلماء کی تحریک سے نجف میں نہر حسینی نکالی گئی۔ حضرت مسلم وہانی کی قبر مطہر پر عمارت نہ تھی۔ مسجد کوفہ خستہ ہو گئی تھی اور کوئی مینارہ نہ تھا۔ ان سب کے لئے ایک کثیر رقم شیخ محمد حسین نجفی صاحب جواہر الکلام کو سید العلماء کی وساطت سے بھیجی۔ انھوں نے جب ان کی تعمیر شروع کی تو اپنے شاگرد اور باکمال شاعر شیخ ابراہیم قطفان آل یحییٰ العاملی سے ایک قصیدہ کہلوایا، جو بادشاہ، سلطان العلماء، سید العلماء کی مدح اور نہر وعمارت کی خصوصیات پر مشتمل تھا۔ قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:-

اِنَّ سُلْطَانَ السَّلَاطِيْنِ الْوَرٰى
فَخْرُ اَرْبَابِ الْمَعَالِى وَالدُّوَلِ
ذُوْ النُّهٰى اَمْجَدُ عَلِى شَاهَ الَّذِىْ
مُنِحَ التَّاجُ وَبِالْمُلْكِ اسْتَقَلَّ
اَصْلُ كَمْ مِنْ مَلِكٍ سَامِى الذُّرٰى
فِىْ كَمِىْ ظِلِّ مَعَالِيْهِ اسْتَظَلَّ
وَمَلِيْكُ دِيْنِ آلِ الْمُصْطَفٰى
عَزَّ فِىْ اَيَّامِهِ وَالْكُفْرُ ذَلَّ
وَاَعَزُّ لَاْحَ فِى اَفْلَاكِهِ
كَوْكَبًا فَضْلٍ بَدَا مِنْ غَيْرِ كَلَّ
مَوْلَانَا الْمَوْلَوِيَّانِ وَمِنْ
كُلِّ فَضَلٍ حَرِيًّا مِنْ غَيْرِ كَلَّ
اَوْرَدَاهُ مَنْهَلَ الْعِلْمِ الَّذِىْ
شَرْبًا مِنْ عَذْبِهِ نَهْلًا وَعَلَّ
فَجَرٰى جَرْيًا اِلَيْهِ فِى الْعَسَلِ
وَالْحَيَا مَنْ فَيْضِ كَفِّهِ سَهَلَ
رَمَقَ الدُّنْيَا فَلَهَا اَنْ رَاٰى
رَوَاْحَ الْفَضْلِ بِكُوْفَانِ اَضْمَحَلَّ

بَذَلَ الْاَمْوَاْلَ لِلّٰهِ وَمَا

رَاْحَ اِلَّا وَهُوَ فِیْ مَنْ بَذَل

حَطَّ نَهَرًا بَیْنَ اَکْنَافِ الْحِمٰی

فَاِنَّ بِالْبُشْرٰی لذبد مَنْ نَهِلَ

کَوْثَرٌفِیْ جَنَّةٍ جَلَّ بِهَا

حَیْدَرُ سَادَاْتِ الْمِلَلِ

وَسَبِیْلٌ وَاضِحٌ لِلْخَیْرِ بَلْ

سَلْسَبِیْلُ غَلَلِ الصَّادین بَلَّ

مَا اهْتَدٰی یَوَمًا لَهٗ خَطٌّ امْرَئٍ

غَیْرَ سُلْطَاْنٍ اِذَا قَاْلَ فَعَلَ

اَیُّ نَهْرٍ عَمَّ نَفْعاً بِالْحِمٰی

وَحَمَاْ مَنْ فِیْهِ وَارْ تَحَلَ

مَاْ مَنْ کُوْفَانِ الْغَاطَالِمَا

کَانَ هَذَفًا لِکُلِّ حَوْفٍ وَحِلْ

کَمْ هُمَاْمٍ رُمَاْمٍ ذَالصُّنْعِ وَمَاْ

مَدَّبَاْحَاْ نَحْرِهٖ حَتّٰی نَکَلَ

مَانْثَنِیْ عَنْ نَیْلٍ مُرْتَدِیَا

حَلَّ الْعَجْزَ وایه اَوِ الْکَسَلَ

هٰکَذَا فَلِعَمَلِ الْعَامِلِ لَوْ

فَلْیَقِفُ مِنْ دُوْنِ غَایَاتِ الْعَمَلِ

شَادَ مِنْ اَرْکَانِ اَعْلَامِ الْهُدٰی

وَعَامَاتِ الْمَعَالِی مَا نَنْزَل

وَبَنٰی فِی الْکُوْفَةِ الْعِزَامَا

طَاْلَ فَخْرًا وَعَلٰی لَشَعْرِی اَطَلَّ

حَضْرَةً الْقُدُسِ الَّتِیْ فِی ممنها

مُسْلِمٌ بَلْ مروحته الْاِسْلَاْمِ حَصْلٰی

نَاصِرُ الْسِبْطِ وَرَافِیْهِ وَمَنْ

کَاْنَ لَهٗ حَامًّا لَاْ یَغْسَلُ

وَاسْتَنَارَ الْاُفُقُ مِنْ مَاذَنَتِهٖ

قَدْ تَسَامَتْ وَبِهَا الْحُسْنُ الْکُمَّلُ

کَبَّرَ الذِّکْرَ فِیهَا وَاحِدًا

اَحَدًا فَرْدًا کَبِیْرًا یَزِلُ

وَعَذَا یَلْهَجُ فِی تَارِیخِهَا

عَلَنًا حَیَّ عَلٰی خَیرِالْعَمَلِ

۰ ٦ ۲ ۱ ھ

(منقول از ظل ممدود مرتبۂ مفتی میر محمد عباسؒ)

بادشاہ بادشاہان خلق، فخر ارباب بلندی دولت دانش مند امجد علی شاہ جنہیں قدرت نے تاج عطا کیا اور مستقل سلطنت کے مالک ہوئے۔

ایسے بلند مرتبہ کہ نہیں معلوم کتنے بلند درجہ بادشاہ ان کے سایہ اقبال میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ایسے بادشاہ جن کے زمانہ میں دینِ نبیؐ نے عزت پائی اور کفر ذلیل ہوا۔

ایسے روشن چہرے والے کہ جن کے آسمان میں دو ستارے علم و عمل کے چمکے۔ ہمارے مولا و آقا دونوں آقایانِ کرام جنہوں نے ہر فضیلت کو بغیر کسی مشقت کے حاصل کیا انھوں نے بادشاہ کو پہنچا دیا علم کے اس گھاٹ پر جس کے شیریں پانی سے وہ خود بارہا سیراب ہو چکے تھے۔

ان کا فیض بلندی میں جاری ہوا اور چشمے ان کے دست کرم سے اُبل پڑے انھوں نے دنیا کی طرف نظر ڈالی اور جب دیکھا کہ فضیلت و شرف کا محل کوفہ میں کمزور ہو گیا ہے

تو انھوں نے خدا کی خوشنودی کے لئے اموال صرف کئے اور ہر شخص سے زیادہ سخی ثابت ہوئے انھوں نے بنیاد قائم کی ایک نہر کی نجف کے اطراف میں جو سیراب کرنے کی ضامن ہے وہ ایک کوثر ہے۔ اس جنت میں جہاں قیام کئے ہوئے ہیں امیر المومنین، سید السادات خلق اور وہ ایک

واضح راستہ ہے جو پیاسوں کی پیاس بجھانے والا ہے۔

یہ ایسی خدمت کی جو کسی کو نہ سوجھی سوائے اس بادشاہ کے جو اپنی بات پر عمل کرنے والا۔ کیا کہنا اس ہنر کا جس کا نفع اس شہر میں عام ہوگیا ہے اس نے حفاظت کی حاضر و مسافر کی جان کی۔

اس نے محفوظ رکھ لیا کوفہ کے ایسے محل کا جو خوف کا مرکز تھا۔

کتنے بلند مرتبہ لوگ ایسے تھے جنھوں نے اس کے بنوانے کا ارادہ کیا۔ اور ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی قدم پیچھے ہٹا لیا عاجزی کی چادریں اوڑھ کے۔

بے شک اس طرح کام کرنا چاہئے کام کرنے والے کو، نہیں تو ہوس ہی نہ کرے۔

انھوں نے مضبوط کیا ہدایت کے ارکان کو اور رفعت کے ستونوں کو جو نیچے گر گیا تھا۔

اور بنیاد قائم کی کوفہ میں اس عمارت کی جو فخر میں ستارہائے فلک سے بلند ہے وہ مقدس بارگاہ جس میں حضرت مسلم دفن ہیں بلکہ اسلام کا دل بلکہ سبط پیغمبر کا مددگار وہ جو دین کے لئے نہ کند ہونے والی تلوار تھا۔

اور اُفق آسمان روشن ہوگیا۔ ایسے مینار سے جو بلند ہوا اور اس سے حسن کامل ہوگیا اس میں مؤذن عظمت کا اظہار کرتا ہے اس واحد کی جو فرد ہے اور ہمیشہ سے ہے۔ اور وہ اس کی تاریخ میں کہتا ہے "عَلَنَا حَیَّ عَلٰی خَیرِ العَمَلِ" ۱۲۶۰ھ (منقول از ظلِ ممدود مرتبۂ مفتی میر عباس صاحب)

سید العلماء سے انھوں نے ۱۲۶۰ھ میں فارسی میں علم کلام کی ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی انھوں نے "حدیقۂ سلطانیہ" کے نام سے وہ معرکہ آرا کتاب پانچ جلدوں میں لکھی جس کا مثل و نظیر نہیں ہے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا سید علی صاحب سے اردو میں "تفسیر قرآن" لکھوائی یہ آٹھ جلدوں میں مطبع شاہی سے شائع ہوئی۔

غفران مآبؒ کے تیسرے بیٹے مولانا سید حسن نے اردو میں اصول دین کی ایک کتاب باقیات الصالحات لکھی۔ سلطان العلماء کے بڑے بیٹے محمد باقر منصف الدولہ نے علم کلام میں "تشہید مبانیٔ الایمان" فارسی میں لکھی اس زمانہ میں علمائے فریقین کی اتنی کثرت تھی جن کا شمار ممکن نہیں۔ حدیث و تفسیر و کلام و مناظرہ و فلسفہ و منطق میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔

احمد حسین سحرؔ نے تذکرہ "بہار بے خزاں" اور سعادت ناصر خان ناصرؔ نے "خوش معرکہ زیبا" لکھا۔ اس دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ نصیر الدین حیدر نے جو رسد خانہ میجر ہربرڈ کی نگرانی میں

قائم کیا تھا اور اس وقت تک حکومت کے بیس پچیس لاکھ روپیہ اس پر صرف ہو چکے تھے۔ میجر موصوف کی محنت سے ایک نادر کتاب تیار ہوئی۔ اس کی اشاعت کے لئے سات ہزار روپیہ خزانہ سے منظور ہوا۔ اسی اثنا میں ہربرڈ کا انتقال ہوگیا۔ اور یہ کام کرنل ولکاکس کے سپرد ہوا۔ رزیڈنٹ کو ان سے دشمنی تھی۔ انھیں یہ گوارہ نہیں ہوا کہ ایسے عظیم الشان کام میں ولکاکس کی شرکت ہو۔ انھوں نے ایسی ترکیبیں کیں کہ تمام سرمایہ تلف ہوگیا، لاکھوں کا نقصان ہوا اور حکومت کا وہ کارنامہ جو رہتی دنیا تک سلاطین اودھ کا نام روشن رکھتا اور دنیا اس سے فیض حاصل کرتی، برباد ہوگیا۔

شہر کی رونق میں اضافہ ہوا۔ انھوں نے سعادت علی خان کے بسائے ہوئے شہر میں ایک نیا محلہ حضرت گنج آباد کیا۔ یہ لکھنؤ کا سب سے زیادہ بارونق بازار ہے۔ شام کے وقت یورپ کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ برصغیر میں ایسا پرفضا اور شاندار بازار میں نے نہیں دیکھا۔

کشمیر میں راجہ نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ امجد علی شاہ نے ان کو ترک وطن کر کے لکھنو چلے آنے کا پیغام بھیجا۔ سینکڑوں خاندان وہاں سے چلے آئے۔ بہت سے مقبرہ جناب عالیہ کے مکانات واقع گولا گنج میں آباد کئے گئے۔ ان کی نسلیں آج بھی وہاں آباد ہیں۔ ایک کثیر تعداد کو منصور نگر اور کاظمین کی طرف بسایا گیا اور کشمیری محلہ آباد ہوا۔

لکھنؤ سے کانپور تک پختہ سڑک بنوائی۔ غازی الدین حیدر نے انگلستان سے ایک لوہے کا پل منگوایا تھا۔ مختلف زمانوں میں اس پر کچھ کچھ کام ہوا مگر اتمام تک نہ پہنچ سکا۔ امجد علی شاہ کی توجہ سے پایہ تکمیل تک پہنچا۔

امین الدولہ نے امین آباد بسایا۔ منصف الدولہ خلف سلطان العلماء نے روضۂ امام حسینؑ کی نقل بنوائی جو دیانت الدولہ کی کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ عاشورہ کے دن شہر کے تعزیئے وہیں دفن ہوتے ہیں۔

شرف الدولہ نے روضہ کاظمین کی نقل تعمیر کرائی۔

بادشاہ کے زہد و ورع اور تقدس کا یہ اثر تھا کہ سارا شہر عبادت گذار بن گیا۔ ہاتھ میں تسبیح وضع میں داخل ہوگئی۔ چندروز کے لئے آنے والا بھی مذہب کے سانچے میں ڈھل جاتا تھا۔ نماز روزہ کے ساتھ تعزیہ داری بہترین کارِ ثواب سمجھی جاتی تھی۔ ہر شخص مجلس و ماتم اور تعزیہ داری کرتا تھا۔ ہندو بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔ اب تک ہندوؤں کا تعزیہ عاشور و چہلم کو لکھنؤ میں اٹھتا ہے۔

سپہ گری یہاں کی قدیم وضع تھی لائف آف این ایسٹرن کنگ کا مصنف لکھتا ہے:

بازاروں میں سب سے نرالی بات یہ ہے کہ لوگ مسلح رہتے ہیں۔ یہ بات کہیں اور نہیں پائی جاتی۔۔۔۔۔گلیوں میں ایک ادنیٰ سی بات پر تلوار چل جاتی ہے۔ جب اِس قسم کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے تو لڑنے والوں کے شور وغل سے دور تک خبر پہنچ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اکثر اوقات بہت سخت خونریزی ہوجایا کرتی ہے۔ یہی حالت اس وقت تھی جب میں ۱۸۳۵ء میں لکھنؤ میں تھا اور اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ کی یہی حالت ہے۔ ایک یورپین سیاح کو۔۔۔۔۔۔لکھنؤ کے بھک منگوں کی یہ ادا ضرور متحیر کردے گی جس قدر مرد فقیر ہیں سب ہتھیار بند ہیں۔۔۔۔۔۔یہ فقیر ڈھال تلوار سے مسلح ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے ایک نامی فقیر کا نام سُنا ہے جس کے پاس ایک ہاتھی بھی تھا اور وہ اسی پر سوار ہوکے روزانہ شہر کا چکر لگا تا تھا''

ہندو مسلمان سب شاعری کے دل دادہ تھے۔ معمولی طبقہ کے لوگ بھی شاعر اور سخن فہم تھے۔ سعادت ناصر خاں تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا میں لکھتے ہیں کہ:

''قادر علی مجرمؔ اگرچہ دلاّل بازار جُفت فروشاں ہے لیکن اس کے قالب طبع میں شعر خوب ڈھلتے ہیں۔''

نظر علی تیلی بھی شاعر تھا۔

میر انیسؔ اس زمانہ میں فیض آباد سے مستقل طور پر لکھنؤ چلے آئے اب مرزا دبیرؔ اور میر انیس مدمقابل تھے سارا شہر دو گروہوں میں بٹ گیا تھا، انیسئے اور دبیریئے۔

عہد امجد علی شاہ میں شیعیت کا عروج اور خاندان اجتہاد

دورِ امجد علی شاہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس عہد میں خاندان اجتہاد کو بہت عروج حاصل ہوا۔

مفتی محمد عباس صاحب سلطان العلماء سید محمد صاحب کے متعلق فرماتے ہیں ان کی سربلندی سے دینِ الٰہی سربلند ہوا اور بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ وقت نے ان کے آگے سر عقیدت خم کردیا اور شاہی اقتدار کا ایک حصہ ان کو سونپ دیا۔ انھوں نے اسلامی آئین نافذ کیا اور بہت سے دینی کام کئے جس کا دائرہ عراق تک پھیلا۔ مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے یہ اسباب ہیں۔

اس وقت اس خاندان میں علماء کی کثرت، ایسی کتابوں کی تصنیف جس سے دین میں روح

تازہ دوڑ گئی۔ اعلیٰ روحانیت، سیرت و کردار کی بلندی، بادشاہوں کی طرف رخ نہ کرنا اور حق پر قائم رہنے میں ان کی مخالفت کرنا۔ ان باتوں نے ان کا وقار بہت بلند کردیا عام لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے۔ بادشاہ دین دار تھے۔ انھوں نے بھی عقیدت کا سر جھکا دیا۔ ان باتوں کو ہم مختصر طور پر پیش کرتے ہیں کہ آپ عروج کا اصل راز سمجھ لیں۔

علماء کی کثرت

اس وقت اس گھرانے میں چودہ متبحر عالم موجود تھے۔

(۱) سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب، (۲) مفسر قرآن مولانا سید علی صاحب، (۳) فقیہ اہلبیتؑ مولانا سید حسن صاحب، (۴) سید العلماء مولانا سید حسین صاحب پسران غفران مآبؒ، (۵) صفوۃ العلماء منصف الدولہ شریف الملک مولانا محمد باقر صاحب، (۶) خلاصۃ العلماء مولانا سید محمد مرتضٰی صاحب، (۷) مولانا محمد صادق صاحب، (۸) مولانا سید عبداللہ صاحب، (۹) ملک العلماء مولانا بندہ حسین صاحب، (۱۰) مولانا سید علی اکبر صاحب پسران سلطان العلماء، (۱۱) عمدۃ العلماء مولانا سید محمد ہادی صاحب نبیرۂ غفران مآبؒ، (۱۲) زین العلماء عضد الدین مولانا علی حسین صاحب، (۱۳) ممتاز العلماء فخر المدرسین مولانا محمد تقی صاحب، (۱۴) زبدۃ العلماء مولانا علی نقی صاحب پسران سید العلماء سید حسین صاحب وغیرھم۔

اتنے عالموں کا وجود ایک گھر میں دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتا۔ اور ان کے لئے بے شمار شاگرد جو ان لوگوں کو اپنا روحانی باپ سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی ان کے مربی و سرپرست تھے، علم کے ساتھ معاش بھی مہیا کرتے تھے۔ قیام کے لئے مکان دیتے تھے اور دینی کتابیں لکھنے [۱] کی فرمائش

[۱] ایک دلچسپ واقعہ سے غفران مآبؒ نے مفتی محمد قلی صاحب کو تحفہ اثنا عشریہ کے ایک باب کی رد لکھنے کی فرمائش کی اور اس کا خاکہ بتایا اور کچھ کتابیں دیں۔ کچھ لکھ کے لائے اور کچھ کتابیں اور مانگیں غفران مآب نے فرمایا عاریتی کتاب کا فائدہ عارضی ہوتا ہے اہل علم کو کتاب اپنے پاس رکھنا چاہئے وہ محصل کی معلم اور مصنف کا آلہ ہیں جیسے حداد و نجار بغیر اوزار کے کچھ نہیں کرسکتے اسی طرح مصنف کتابوں کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اور دو روپئے ان کو دیئے کہ اس سے کتاب خرید کے کتب خانہ قائم کیجئے۔ انھوں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دو روپیہ لئے ایک روپیہ کی ایک کتاب خرید کے کتب خانہ کا افتتاح کیا اور ایک روپیہ برکت کے لئے صندقچہ میں رکھا جو برکت کے روپیہ کے نام سے ان کے خاندان میں برسوں رہا اس نے کیا برکت دکھائی یہ تو نہیں معلوم مگر اس ایک روپیہ کی کتاب کی یہ برکت ہوئی کہ وہ کتب خانہ عظیم الشان بن گیا اور آج تک موجود ہے۔

کرتے تھے۔اس وقت کے علماء میں کوئی ایسا نہیں جو دینی کتابوں کا مصنف نہ ہو۔

غفران مآبؒ کے وقت سے سارے ہندوستان کے شیعہ لکھنؤ کو اپنا دینی مرکز سمجھتے تھے۔
علم دین حاصل کرنے والے یہیں آتے تھے۔یہیں کے علماء باہر بلائے جاتے تھے۔اس وقت ان باتوں میں ترقی ہوئی اور ایک نئی بات یہ ہوئی کہ یہاں کی دینی کتابیں سارے ہندوستان میں پھیل گئیں جن میں بچوں کے پڑھنے کی کتابیں بھی تھیں اور اوسط و اعلیٰ استعداد کے لوگوں کے لئے بھی تھیں۔ان میں ''بارقہ ضیغمیہ''،''ضربت حیدریہ''،''بوارق موبقہ''،''طعن الرماح'' سلطان العلماء نے ایسی کتابیں لکھیں جن کا مثل نہیں ہے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے استدلال کے ساتھ عقلی اور فلسفیانہ استدلال اتنے مضبوط ہیں جو ذہن انسانی کی معراج ہیں۔ان کتابوں نے لوگوں کو حیران کر دیا۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ عقل انسانی سے بالاتر ہیں۔غفران مآبؒ کی کتابیں بھی اس میں شامل ہیں۔

مفتی محمد عباس صاحب فرماتے ہیں:

''ان کی علمی جلالت کا اندازہ ان کی تصنیفوں سے کیا جاسکتا ہے۔انھوں نے شریعت محمد مصطفیٰؐ کی مدد کی۔ان کی وجہ سے اس کی تجدید ہوئی۔ وہ حکمت الٰہیہ جاننے والوں کے مقتدا اور مجتہدین کے نقطہ آخر ہیں۔'' (اوراق الذہب)

مولانا میر حامد حسین صاحب لکھتے ہیں:

''علمائے متکلمین میں سب سے افضل، فقہائے مجتہدین میں سب سے اکمل، سارے اور تمام مومنین کے مولاء وآقا، وقت کے فرد، خدا کی تائید ان کے ساتھ ہے۔'' (رسالہ تقیہ)

عراق کے مشہور عالم حجۃ الاسلام مولانا علی نقی طباطبائی ان کی کتابوں سے متاثر ہو کے لکھتے ہیں :

''دائرہ عقل کے مرکز، آسمان علم کے قطب، ارباب فضل کے راس، واعظین زمانہ میں یکتا اور وحید۔ (ظلم ممدود)

حجۃ الاسلام سید علی حائری مصنف ضوابط الاصول فرماتے ہیں:

ملک اسلام کے قطب، دائرہ عزت واحترام کے نقطہ بدر تمام،

احکام شرعیہ کا دارومدار ان کی ذات پر ہے، مسائل حکمیہ کو انھوں نے زندہ کر دیا اور علم وکمال میں روح پھونک دی شریعت کی بنیادوں کو قائم کیا اور ہدایت کے راستوں میں چراغ روشن کر دیئے'' (ظل ممدود)

شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی مصنف جواہر الکلام فرماتے ہیں:

''ایسے علامہ جن کا نظیر نہیں، معقول ومنقول، فروع واصول جن کی ذات میں جمع ہیں، فقہاء ومجتہدین کے فخر، اسلام کے مددگار، عراق وایران وہندوستان کے مومنین کے آقائے اعظم'' (ظل ممدود)

ان بیانات سے ان کتابوں کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔

روحانیت

روح کی بالیدگی عبد ومعبود کے راز ونیاز پر ہے جس کو عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔نماز، وظائف، مناجات اسی کی شکلیں ہیں، لیکن اس کی روح خضوع وخشوع ہے۔از بر الفاظ جاری کر لینا کوئی خیر نہیں، سلطان العلماء اور سید العلماء کی عبادت خضوع وخشوع کا اعلیٰ معیار تھی۔

مولانا سید محمد حسین تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلماء میں لکھتے ہیں:

بعض فضلائے اہل سنت جب شیعہ ہو گئے اور ان کی خدمت میں حاضر رہنے لگے، آپ کے حالات دیکھتے تو حیران ہو کے کہتے کہ آپ طاعت وعبادت میں مثل علیؑ بن ابی طالب کے ہیں۔

صاحب تاریخ العلماء لکھتے ہیں:

ایک بزرگ زائر ائمہ اطہار فرماتے ہیں کہ آپ کو اور علماء سے وہی نسبت ہے جو بشر کو فرشتہ سے ہے زائرین کا قول ہے کہ اگر کوئی بلاد وامصار کی سیر کرے اور علماء کی صحبت میں رہے تو آپ کی قدر معلوم ہو۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

اگر آپ عہد رسول میں ہوتے تو آپ کے فضائل میں کوئی آیت ضرور اُترتی اور ابوذر وسلمان پر آپ کو فضیلت دیتے، آپ کے

تمام افعال وعادات عبادت تھے۔

یہ مفتی میر عباس صاحب کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ وہ اوراق الذہب میں لکھتے ہیں:

لَوْ کَانَ فِی زَمَنِ جَدِّهٖ رَسُوْلِ الْاِنْسِ لَیَنْزِلُ اللّٰهُ فِیْ مَدْحِهٖ
شَیْئًامِنَ الْقُرْاٰنِ وَاَفْضَلَهٗ عَلٰی اَبِیْ ذَرٍّ وَسَلْمَانَ۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

> خدا نے ان کے چہرہ میں حسن، کلام میں نمک اور الفاظ میں فصاحت عطا کی ہے۔ ان کی صحبتیں مثبت ہیں، جہاں لغو اور غیر مشروع باتوں کا گذر نہیں۔ ان کی عادت میں حسن اخلاق ومزاح ہے، مگر کوئی شخص ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ ان میں سختی ونرمی ہے جو خدا نے عطا کی ہیں ان میں، تن تنہا قیام وقعود میں وہ بہت ہیں جو بادشاہوں کو فوج ولشکر کے ساتھ میسر نہیں۔ وہ جناب باوجود قوت قلب کے رحم دل اور بندوں پر مہربان ہیں۔ شجاعت میں شیر اُن کے سامنے سے فرار کرتا ہے۔ موعظہ کے وقت پتھر اگر احساس کرے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے بالخصوص جب وہ جناب منبر پر موت اور قبر کا تذکرہ کرتے اور ابر بارندہ کی طرح روتے ہیں خدا کے راستہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ خدا کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔

حق پر استقامت

غفران مآبؒ کے بعد ساری ذمہ داری سلطان العلماء پر آپڑی۔ ان لوگوں نے کبھی امراء وسلاطین کی طرف رُخ نہیں کیا۔ بس اتنا ربط رکھا کہ نکاح کے لئے بلایا تو چلے گئے۔ نماز جنازہ، نماز جماعت پڑھا دی، مسجد میں بادشاہ کے آگے اور وہاں سے نکل کے بادشاہ کے پیچھے نہیں ہوئے۔ اس روش نے غازی الدین حیدر کے زمانہ میں ایک حادثہ سے دوچار کر دیا۔

اودھ کی تاریخوں میں تو صرف اتنا لکھا ہے غازی الدین حیدر اپنے بیٹے نصیر الدین حیدر سے خفا ہو گئے اور اپنے نواسے محسن الدولہ کو اپنا جانشین بنانا چاہا، مگر کتب سیر میں ہے کہ انھوں نے محضر بنا رکھا، جس میں نصیر الدین حیدر کی ابنیت سے انکار تھا۔ سب نے بادشاہ کے خوف سے دستخط

کر دیئے۔ جب سلطان العلماء کے پاس آیا تو انھوں نے اس پر لکھا **ازم عمل غیر صالح** اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بادشاہ یہ عمل غیر صالح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نصیر الدین عمل غیر صالح کی ابنیت سے انکار نہیں ان کا یہ فعل مزاج شاہی پر گراں گذرا اور زندگی بھر ناراض رہے۔

غازی الدین حیدر کے بعد نصیر الدین حیدر تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سلطان العلماء کی بڑی آؤ بھگت کی ولی عہدی کے زمانے سے اپنی طرف مائل سمجھ کے۔ مگر تخت پر بیٹھتے ہی ان سے ٹکر ہو گئی ایک عورت سے (جسے اس کا شوہر چھوڑ چکا تھا مگر شرعی طور پر طلاق نہیں ہوا تھا) نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ شوہر اوّل سے افتراق شرعی طور پر ثابت نہیں اس لئے میں نکاح نہیں پڑھوں گا۔ بادشاہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

حضور شاہی میں یہ جرأت اور زیادہ برہمی کا باعث ہوئی۔

اس کے بعد شراب کے جواز کا فتویٰ اس صورت سے چاہا کہ طبیب حاذق نے بادشاہ کی زندگی کا انحصار شراب پینے میں تجویز کیا ہے، اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟ سلطان العلماء جانتے تھے کہ اس بہانے سے شراب نوشی مقصود ہے۔ جس طرح جان بوجھ کے طبیب حاذق کی غلط تجویز ہے، اُسی طرح مفتی کا فتویٰ غلط ہوگا۔ مگر صورت مسئلہ میں طبیب حاذق کی رائے سے مخالفت کی گنجائش مفتی کو نہ تھی۔ انھوں نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لیا اور لکھ دیا ''لَاشِفَاءَ فِی الْحَرَامِ'' ان سے پہلے کسی نے اس محل پر اس حدیث کو پیش نہیں کیا تھا۔ نصیر الدین حیدر کی تندمزاجی مشہور ہے۔ یہ دوسری جھڑپ تھی۔ اب رعب شاہی سے کام لینا چاہا اور ایک مسئلہ پوچھنے کے بہانے سے بلوایا۔ ایک کرسی پر خود بیٹھے اور ایک پر قلم دان رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ جب سلطان العلماء آئیں گے تو تعظیم نہ کروں گا، مگر جب وہ دروازے کے پاس پہنچے، تو عربی قاعدے سے بلند آواز میں یا اللہ کہا اور اندر داخل ہو گئے۔ بے اختیار بادشاہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور وہ قلم دان اُٹھا کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ دیر تک سناٹے میں رہے۔ آخر میں پوچھا کہ اسلام سے پہلے اگر جسم میں نجاست لگ جاتی تو اس جگہ کو کاٹ دیتے تھے۔ فرمایا خون نجس نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔ مصاحبین خاص نے پوچھا تو کہا جب وہ کمرے میں آئے معلوم ہوا کسی نے بغلوں میں ہاتھ دے کر کھڑا کر دیا مفتی میر عباس صاحب نے ''اوراق الذہب'' میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے چہرے میں تنہا وہ رعب وجلال ہے

جو بادشاہوں کو لشکروں کے ساتھ نصیب نہ تھا۔ اس واقعہ سے سلطان العلماء سمجھ گئے کہ بادشاہ کو مخالفت پیدا ہوگئی ہے اور وہ توہین پر آمادہ ہیں۔ دوسری دفعہ جب بلائے گئے تو جانے سے انکار کر دیا۔نصیرالدین حیدر اس کی تاب کہاں لا سکتے تھے آگ بگولا ہو گئے۔حکم دیا کہ ان کا مکان توپ سے اُڑا دیا جائے شہر میں ہل چل مچ گئی۔ رات کو یہ حکم ہوا تھا کہ بجلی کی طرح سارے شہر میں خبر دوڑ گئی۔ امرائے دربار دوڑے آئے کہ سلطان العلماء معافی مانگ لیں۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ رات لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی۔ صبح ہوئی شاہی فوج کے کپتان مقبول الدولہ نے توپ خانے سے دو توپیں نکلوائیں۔ ایک سلطان العلماء کے مکان پر چڑھ گئی۔ دوسری محل سرائے شاہی پر۔ بادشاہ کی آنکھ کھُلی، معلوم ہوا شاہی محل پر توپ چڑھ گئی، حواس جاتے رہے۔ پوچھا یہ توپ کیوں اور کس نے چڑھائی ہے؟ معلوم ہوا کہ شاہی فوج کے کپتان نے۔ وہ کہتے ہیں میری غیرت قبول نہیں کرتی کہ بادشاہ دین کا مکان توپ سے اُڑا دوں اور بادشاہ دنیا کا محل کھڑا رہے۔ اس لئے میں اپنی دین و دنیا دونوں آج ختم کئے دیتا ہوں۔ احساس مذہبی نے بادشاہ کو چونکا دیا، نشہ اُتر چکا تھا شرمندہ ہوئے۔ کپتان کو ان کے جوشِ ایمانی پر گراں بہا خلعت عنایت کیا، مگر سلطان العلماء سے زندگی بھر صفائی نہ رہی۔ مگر مذہبی امور کی انجام دہی انھیں کے ہاتھوں ہوتی رہی۔ (تاریخ العلماء)

نصیرالدین حیدر کے بعد محمد علی شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ انھوں نے جامع مسجد بنوائی اور سلطان العلماء سے نماز پڑھانے کی استدعا کی۔ انھوں نے کہا اس میں کچھ زمین نعیم خان کی شامل ہوگئی ہے، اس لئے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا یہ بادشاہ نہایت متدین اور بیدار مغز تھے، انھوں نے سلطان العلماء ہی کے سپرد اس کی تحقیقات کی اور کہا کہ شرعی حیثیت سے جواز کی صورت آپ نکال دیں۔ انھوں نے نعیم خان کو بلوا کے زمین کے معاوضے پر راضی کر لیا اور بادشاہ سے معاوضہ دلوا کے نماز پڑھائی۔

امجد علی تو ان کے معتقد تھے ان سے کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ واجد علی شاہ کے زمانہ میں ہنومان گڑھی کے واقعہ میں تمام علماء اہل سنت حکومت کے موافق اور سلطان العلماء حکومت کے خلاف ہوئے۔

نجم الغنی نے تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ ہنومان گڑھی کے واقعہ میں علمائے اہل سنت نے بادشاہ کے موافق اور سلطان العلماء نے بادشاہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ انھوں نے اپنے علماء کو گالیاں لکھ

کر دیواروں پر چسپاں کیں اور اپنی نماز پڑھ کے شیعوں کی مسجد میں آ کے سلطان العلماء کا موعظہ سنتے تھے۔

غدر میں باغیوں کے سردار احمد اللہ شاہ جو ''ڈنکا شاہ'' کے نام سے مشہور تھے، سلطان العلماء کے پاس آئے اور کہا کہ انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ انھوں نے کڑے تیور ڈال کر کہا علماء فرنگی محل سے فتویٰ لیجئے۔ ہمارے یہاں غیبت امام میں جہاد نہیں۔

غدر کے بعد ان پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا۔ مگر ان کے اعزاز کا اتنا لحاظ کیا کہ گرفتار نہیں کیا اور گھر پر مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ وکیل نے پوچھا کہ نویں محرم کو بیلی گارڈ پر حملہ کا حکم آپ نے دیا تھا؟ فرمایا غیبت امام میں ہمارے یہاں جہاد جائز نہیں۔ اس نے کہا اگر امام آجائیں اور آپ سے کہیں کہ انگریزوں کا قتل عام شروع کرو تو آپ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ فرمایا ان کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ بھی ہوں گے۔ انگریزوں نے بغاوت سے ان کو بری کر دیا۔ جائیداد واپس کر دی اور دو ہزار روپیہ ماہوار ان کے لئے پنشن مقرر ہوگئی۔

ملکہ وکٹوریہ نے حکومتِ ہند کو لکھا کہ کیسے شخص ہیں جو کسی سے نہیں ڈرتے، ہم ان کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔ حکومت نے ان کی تصویر بنوا کے ہاتھی دانت کے چوکھٹے میں بھیجی۔ ایک تصویر رزیڈنسی میں تھی جو بعد کو عجائب خانہ میں رکھی۔ اس کی نقل جو لوگوں کے پاس اور اس کتاب میں ہے۔

سیرت و کردار کی اس بلندی نے ایک دنیا کو ان کا معتقد بنا رکھا تھا امجد علی شاہ مذہبی آدمی تھے انھوں نے سرِ عقیدت خم کر دیا اور اپنے اقتدار کا ایک حصہ ان کو سونپ دیا اور بقول راجہ درگا پرشاد دنیا پر ان کا حکم جاری ہو گیا اور اس سے دینی فوائد ہوئے۔

ذرۂ ناچیز

محمد باقر شمسؔ

یکم جنوری ۱۹۹۴ء

بعونہٖ تعالیٰ

اَلْوَصِیَّۃُ وَالنَّصِیْحَۃُ

ترجمہ

وصایائے آیۃ اللہ فی الانام امام العلماء الکرام جناب مولانا غفران مآب سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ

مترجمۂ

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی مرحوم

تقریظ

سرکار شریعتمدار حکیمُ الْاُمّۃ عَلّامۂ ہندی آیۃ اللہ حضرت مَوْلَانا السَّیِدُ احمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

بسملاًو حامداًو مصلیاً

امابعد کتاب مستطاب ''الوصیۃ والنصیحۃ'' ترجمۂ وصایائے حضرت جدامجد مُجَدِّدُ دینِ جَدِّہٖ خیرِ الْبَشَرِ عَلٰی رَأسِ الْمِائَۃِ الثَّانِیَۃِ عَشَر اَلْمُجْتَہِدُ عَلَی الْاِطْلَاقِ، وَالْفَقِیہُ بِالْاِسْتِحْقَاقِ، اِمامُ اَفَاضِلِ الْعَالَمِ بِالْاِتِّفَاقِ، غَوْثُ الْاَسَاتِذَۃِ فِی الْاٰفَاقِ، اُسْتَاذُ الْکُلِ فِی الْکُلِ، وَارِثُ الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ، مُقْتَدیٰ اَمَاجِدِ الْاَصْحَابِ حضرت غفران مآب بَرَّدَ اللہُ مَثْواہُ وَمِنْ رَحِیْقِ الْجَنَّۃِ رَوَّاہُ مُؤلِفُہٗ حبیبٌ لبیبٌ حسیبٌ نسیبٌ عُمْدَۃُ الْاَعَاظِمِ زُبْدَۃُ الْاَفَاخِمِ اَلنُّورُ الْاَنْورُ عزیزی مولوی سید محمد جعفر صاحب سَلَّمَہُ اللہُ الْقَوِیُّ المتخلص بہ قدسیؔ جائسی نظر احقر سے گذرا۔ ماشاء اللہ بحسن مرغوب وطرز محبوب واسلوب خوب ترجمہ فرمایا جو کہ مفید خاص وعام ہے۔ یہ نصائح کافیہ اور مواعظ صافیہ عوام مومنین کا کیا ذکر خواص وعلماء کے لئے قابل عمل و موجب نجات وفلاح ہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا وَجَمِیْعَ الْعُلَمَاءِ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَاَنَا الرَّاجِیْ غُفْرَانَ رَبِّہٖ الصَّمَدِ۔

السید احمد بن الحاج سید العلماء فردوس مکاں

السید محمد ابراہیم طیب رمسہ

۱۸؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

تقریظ

عُمْدَۃُ الواعظینَ زُبدۃُ الْمُتَکَلِّمِینَ سَیدُ الْفُقَھائَ سَنَدُالْعُلَماءِ جناب مولانا مولوی سیدرضی حسن صاحب قبلہ جائسی طاب ثراہ۔

میں شروع کرتا ہوں بنام اس پروردگار اور آفریدگار رحمان منان کریم رحیم کے جس نے بندوں کونصیحت اوران کو بہ عبادت وصیت فرمائی۔ پس جملہ نیائش وتمامی ستائش اسی یکتا ذات واجب الوجود بحق محمود کے لئے لائق ہے جوسب سے برتر وفائق ہے۔جس نے بتقرر رسل وبتکرر ہادیان خیر سبل عبادکو، ہرمملوک وآزادکو بات نجات کی بتلائی اورراہ ہدایت بکمال عنایت دکھلائی اوراپنے برگزیدہ پیمبروں اور پسندیدہ رہبروں کوتحفۂ درودوہدیہ سلام نامحدود سے امتیازی وجاہت دکھائی پس یہی جملہ گروہ اوریہی زمرۂ حق پژوہ مستحق صلوات از سائرمخلوقات ہے۔انہیں کے اوصاف،محمودہ صفات، انہیں کا کلام حق حق خدا کی بات،انہیں کا سردارمحبوب کردگار،رسول مختارؐ،حبیب پروردگاراشرف انبیاء وشرف اصفیاء، مالک تخت وتاج،صاحب معراج ؎

دانندۂ کیفیت مستورۂ افلاک
بینندۂ اسرار خفی طبق خاک
جوئندۂ سودائے رضائے احدپاک
یابندۂ تشریف گراں مایۂ لولاک
اللہ نے یہ اوج یکایک جسے بخشا
تاج وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ جسے بخشا

وہی توکہ جس پرخودخدائے ودود درود بھیجتا ہے۔جس کو خاص نگاہ لطف سے دیکھتا ہے جوبہروجہ محمد ہےجس کا نام نامی واسم گرامی زیب فرقان وزینت قرآن احمدؐ ہے،جس کی آل آل اللہ، جن کا قول قال اللہ،جن کا جاہ جاہ خدا،جن کی راہ راہ خدا،جن کی چشم چشم خدا،جن کا خشم خشم خدا،جن کا ہاتھ دست خدا،جن کا انتظام بندوبست خدا،جن کا پہلوجنب خدا،جن کی رضارضائے احد،جن کی عطا عطائے صمد،جن کی وغاوغائے خدا،جن کی ولا ولائے خدا،جن کی حکومت حکومت عظیم،جن کا بغض نارجحیم،جن کے بغیر درودناتمام،جن کی شرکت درود میں بحکم خدا، بارشادوَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی، بتصریح

سیدانبیاء، باشتراک تام ہے،وہی اوصیائے برحق ہیں،وہی رسولؐ کے جانشین مطلق ہیں،وہی عددمیں بارہ ہیں اورہم عدد بروج فلک،عرش رسالت کے گوشوارہ ہیں،جن میں امام عصروشافع حشرجناب محمدؑ، محمدؐکا بارہواں نائب ہے،جس کا لقب زمانہ میں حضرت صاحب ہے،جوحی وقائم رہ کردلیل وجودخداہو کرنظروں سے غائب ہےجس کے زمانۂ غیبت میں علماء اعلام ومجتہدین کرام عباد پرحجت قائم اور نائبان امام وہادیان انام بعدقائم علیہ السلام دائم ہیں جن کی بےمثل مثال اوران کے احیاءدین میں جی توڑکوششوں کی زندۂ جاوید تمثال،سعی مشکور جناب مغفورشریعت دستور،سراپانور، راس مجتہدین کرام،مجتہدعصروایام فقیہ اہلبیتؑ نائب عام ائمہ واوصیاءوارث علوم انبیاء دلدارعلی مرتضیٰ،فلذۂ کبد مصطفیؐ، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، افضل جہابذہ، اکمل اساتذہ، اثاث بیت شرع متین، غیاث ملت ودین، مجددآثارمندرسۂ شریعت رسول انام، وجہ آبادی داراسلام، واقف رموز علوم ائمہ اطیاب جناب مولانا غفراں مآب اَعْلَی اللّٰہُ مَقامَہٗ وَ زَادَ عِنْدَہٗ اِکرَامہٗ، ابوالمجتہدین اِبنُ الائمۃِ الطاہرین ہیں جنھوں نے ہند میں آکرجھنڈا دین کا گاڑا،نقشۂ نقش برآب ادیان باطلہ کواپنے زوربازوسے بگاڑااور بنیاد برباد ناخداشناسی کوجڑسے اکھاڑا، بڑے بڑے بانکے ترچھوں منچلوں مدعیان علم ومنتحلان سلم کوکتابوں کا ڈھیر بنا کررستمانہ دنگل میں،متصنعین کے جنگل میں علی بند کے پیچ سے پچھاڑااور گمراہی کے تیرہ وتاراندھیرنگری کواجاڑااورنعرۂ اناعلی صاحب ذی الفقار مارکرگردن کشوں کےسروں سےغرور بدگمانی کوگرد بردکر کے گردکی طرح جھاڑا، اسی سیف مسلول ورمح مصقول نے اپنے فرزند دلبند سلطان المجتہدین موسس اساس دین، جلاءآئینۂ ملت وآئین،آیۂ رحمت، فاتحۂ عظمت، قدوۂ عالم ربانی،نورشعشعانی،حکمران ملک خدادانی، تاجدارکشوریکتا پرستی، خدیومصراحکام پروردگارہر بلندی وپستی، بادشاہ اقلیم اجتہاد،شہنشاہ دیارہدایت ورشادسلطان العلماءرضوان مآب، جناب سیدمحمد مجتہدالعصروالزمان رحمۃ اللہ الرحمان کوجن پر حَلَالُ مُحَمّدٍ حَلَالٌ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَحَرَامُہٗ حَرَامٌ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ صادق ہےاورخودان کے جواب شاہی میں یہ جواب وائق ہے۔ بطرز وصایائے جناب لقمان بہ ندائے شہادت عبارت قرآن اپنا نائب مطلق مان کر بلکہ مومنین مھتدین کے لئے اپنارسول برحق بمطاوی وَمَامُحَمَّدٌاِلَّا رَسُوْلٌ جان کرکچھ ایسی وصیتیں اورخاص خاص نصیحتیں فرمائی ہیں کہ اگران کوجاہل دیکھےتوعالم اورمریض معاصی پڑھےتوعصیاں سے مبراہوکر

صحیح وسالم ہوجائے، گمراہ دیکھے تو راہبر ہو، کجرو دیکھے تو راہ پر ہو، طوطی سن لے شکر شکن ہو، موتی چن لے
درعدن ہو، آنکھیں دیکھ کر روشن ہوں، گل ایک بھی ورق پڑھیں تو گلشن ہوں، ابکم سن کر مثل بلبل چہکے،
اگر یہ نصائح مسافر کے ہمراہ ہوں تو وہ راستہ میں بھول کر بھی نہ بہکے، اگر آفتاب کو چھاؤں بھی تحریر
دلپذیر کی مل جائے تو کندن کی طرح طلائی ورق اس کا چمکے، اگر کوئی پختہ کار رخام پر ان نقوش حیات
نفوس کو کھودے تو معدن جواہرات اپنے کو کھودے اور وہ سنگ بلا درنگ الماس ڈھنگ لعل بدخشاں
پر کلوخ انداز ہو کر دم بدم دمکے، طاق دل میں اگر یہ صحیفۂ نور ہو تو ساغر دل شراب طہور ہدایت سے
لبریز ہو کر چھلکے، سورج مکھی کے پھول کی پتی بھی اگر ان نصیحتوں کی بو باس سونگھے تو اس کے پرتو آفتابی
سے باغ کا باغ جھلکے، دنیا دار پڑھ لے تو زاہد، تارک الصلوٰۃ سن لے تو عابد ہو، سر بلند نگاہ ڈالے تو
ساجد ہو، انسان پڑھے تو ملک ہو، جس جگہ ان کا ذکر ہو وہ زمین سر بفلک ہو، مملوک پڑھ کر آزاد ہو، پیر
پڑھ کر مژدۂ جناں سے جوان کی صورت قامت کشیدہ بسان شمشاد ہو، غمگیں پڑھ کر دلشاد ہو، ویرانہ
دیکھے تو آباد ہو، جس مکان میں یہ ہوں نہ تو کبھی وہ خراب ہو اور نہ برباد ہو، فنا دیکھے تو فی المعنیٰ بقا ہو، کریہہ
المنظر دیکھے تو خوش لقاء ہو، رنگ دیکھے تو غازہ ہو، خشک دیکھے تو تروتازہ ہو، گمنام ان کا عامل ہو کر
صاحب شہرت وآوازہ ہو، گرتا ہوا سنبھل جائے، ڈوبتا ہوا ابھر کر ہاتھوں اچھل جائے، اس نور نصیحت
کی ضیا سے آدمی تاریکئ جہل سے نکل جائے، گنہگار عامل ہو تو پرہیزگار، عاصی عمل کر کے رستگار ہو،
طالب دنیا صاحب تقویٰ ہو، راغب علم حضیض نادانی سے بڑھ کر عالم باعمل اور مالک فتویٰ ہو۔ تحریر کمال
ہے کہ معجزہ ہے، سحر حلال ہے کہ موعظہ ہے جس کا ترجمۂ صحیحہ موسوم بہ "الوصیۃ والنصیحۃ" ثمرۂ شجرۂ
بوستان سعادت، گلبن نوبادۂ گلستان رشادت، عاشق خدا، سالک راہ رضا، دوستدار شاہ خاص وعام،
عارف رسول انام، پیرو دوازدہ امام، حق شناس معادن وحی خدا و تراجم امر و نہی خدا، وحید فرید، سعید
مجید، رشید مجید، فہیم وسیم، عالی نسب والاحسب، ذوالعلم والادب والمجد والشرف، گوہر منتخب سلک درنجف
، نورازہر برتر مولوی سید محمد جعفر قدسیؔ سَلَّمَهُ اللّٰهُ الْاَكْبَرُ بِالنَّبِيِّ وَاٰلِهٖ شُفَعَاءِ يَوْمَ الْمَحْشَرِ بن
المرحوم فاضل کامل جناب المولوی السید مجتبیٰ حسین عرشیؔ حَشَرَهُ اللّٰهُ مَعَ الْاَئِمَّةِ الْمُصْطَفِيْنَ نے بزبان
عام فہم اردوئے معلیٰ نہایت فصاحت وسلاست وکمال ملاحت ولطافت ومنتہائے طلاقت وفطانت
وانتہائے ذکاوت وذہانت سے فرمایا۔ حقیر نے بہر طور بچشم غور اس کراسۂ قلیل العبارہ کثیر البشارہ

سے استفادہ واستفاضہ کیا اور فوائد کو اپنے کتاب دل کے متن میں نقش کالحجر کر کے قوت حافظہ کے حوالہ
کردیا جَزَى اللّٰهُ الْمُتَرْجِمَ عَنَّا وَعَنْ سَادَاتِنَا اَجْزَلَ الْجَزَاءِ وَوَفَّقَنَا وَسَائِرَ الْمُؤمِنِيْنَ بِالْعَمَلِ
بِهَا بِالنَّبِيِّ وَاٰلِهٖ اَصْحَابِ الْكِسَاءِ۔

كَتَبَهُ الْمُتَشَبِّثُ بِاَذْيَالِ آلِ الْاِجْتِهَادِ وَاَقْيَالِ اِقْلِيْمِ الْاِرْشَادِ خَادِمُ الْعُلَمَاءِ رضی
حسن صِيْنَ عَنِ الْمِحَنِ بِنِ حضرت سَنَدُ الْمُجْتَهِدِيْنَ اَعْلَى اللّٰهُ مَقَامَهُ فِي اَعْلَىٰ عِلِّيِّيْنَ
لِلثَّالِثِ وَالْعِشْرِيْنَ يَوْمَ السَّبْتِ مِنْ جُمَادِي الْاَوَّلِ ۱۳۳۸ مِنْ هِجْرَةِ خَيْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَسَيِّدِ
الْبَشَرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ مَا اتَّصَلَ عَيْنٌ بِنَظَرٍ وَاُذُنٌ بِخَبَرٍ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَهُ الْحَمْدُ وَالرُّجُوْعُ اِلَيْهِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

قُدْوَةُ الْمُتَكَلِّمِيْنَ صَفْوَةُ الْمُحَقِّقِيْنَ حَامِي الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ مُجَدِّدُ شَرْعِ خَيْرِ
الْبَشَرِ الْعَقْلُ الْهَادِي عَشَر آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت غفراں مآب مولانا السید دلدار علی صاحب قبلہ
(جائسی النصیر آبادی اللکھنوی) طاب ثراہ نے اپنے فرزند ارجمند حُجَّةُ الْاِسْلَامِ عَلَى الْاَنَامِ فَقِيهُ
اهلِ بیتِ علیهم السَّلَامُ قُدْسِی خطاب سلطان العلماء جناب رضواں مآب مولانا السید محمد
صاحب نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ کو اپنے اجازۂ مکتوبہ میں جو وصیتیں فرمائی ہیں وہ ایسی سودمند ومفید ہیں کہ ہر
شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا اور مجموعۂ وصایا کو اپنا دستور العمل بنا سکتا ہے۔ چنانچہ سید المتفقہین سند
المجتہدین مولانا وہادینا جناب المولوی السید علی حسن صاحب قبلہ جائسی مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ کا یہ
خیال تھا کہ اگر ان وصیتوں کا ترجمہ ہو جاتا تو معمولی استعداد والوں کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا۔
آخر کار یہ مبارک خیال عالم خیال سے معرض ظہور میں آیا اور حقیر سے ترجمہ کرنے کے لئے ارشاد ہوا
مگر خاکسار اپنی قلت استعداد سے امتثال امر میں متفکر ومتامل رہا۔ جب وہ ارشاد فیض بنیاد اصرار کی
حد تک پہنچا تو خدائے تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور جناب علیین مآب آیۃ اللہ سید مصطفیٰ میر آغا
صاحب کی توجہ واعانت سے یہ کام بہ احسن وجوہ انجام پا گیا۔ ناظرین کرام جب اس سے فائدہ
اٹھائیں تو راقم آثم کے لئے بھی دعائے خیر فرمائیں۔ حضرت رب العزت کی درگاہ میں بکمال ادب یہ
عرض ہے کہ وہ اس ناچیز خدمت کو قبول اور اپنے بندۂ گنہگار کے حال ومآل کی اصلاح فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ۔

خاکسار

سید محمد جعفر قدسی اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْہِ

۱۵؍شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

عرشی منزل، دار العلوم جائس ضلع رائے بریلی

وصیت نامہ حضرت غفران مآبؒ

حضرت غفراں مآبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

اے میرے پیارے فرزند یہ میری چند وصیتیں گوش دل سے تم سن لو تا کہ دین و دنیا میں ہمیشہ رستگار و فائز المرام رہو۔

حصول یقین

مسائل شرعی اور اصول و فروع دین میں اتنی کوشش کرو کہ علم و یقین حاصل ہو جائے اگر حصول یقین کی سبیل میسر نہ آئے تو احتیاط کی رعایت ضروری ہے کیونکہ احتیاط ہی موجب نجات ہے۔

تحصیل علم و کمال

فضائل علمیہ و کمالات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں ہمیشہ منہمک و مصروف رہو۔ اخلاقی پستی اور علمی نقصان سے اعلیٰ مدارج علم و معرفت کی طرف ترقی کرو کیونکہ قدر و شرف و منزلت و مرتبۂ علم کو بحمد اللہ تم پہچان چکے ہو۔

علوم حکمیہ سے احتراز

تمہیں اس امر سے بچنا چاہئے کہ تم اپنی عمر عزیز کتب فلسفیہ پڑھانے اور علوم حکمیہ کے جمع کرنے میں صرف کرو۔ خواہ وہ مشائیہ کی حکمت ہو یا اشراقیہ کی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں گمراہی و جہالت کی ہیں اور ان کا شائق حسرت و ندامت اٹھاتا ہے۔ ان علوم کے خراب نتائج اور برے آثار کا جو ادنیٰ درجہ ہم نے مشاہدہ کیا وہ یہ ہے کہ ان میں جو منہمک ہوا اور کثرت سے ان علوم کو

سیکھا اگر وہ ملحد (Athiest) یا دہری (Naturalist) اور صوفی نہیں ہوا تو کم سے کم امور دین میں سستی ضرور کرتا اور احکام دین کا پابند نہیں رہتا ہے جیسا کہ بعض ممالک عجم اور اکثر بلاد ہند میں خود ہم نے دیکھا ہے۔ ہاں جو نہایت ذہین و ذکی ہو اور علوم دینیہ بدلائل و براہین حاصل کر چکا ہو تو خیر مضائقہ نہیں۔ کبھی کبھی گھڑی دو گھڑی حکماء کی بعض کتابیں پڑھا دی جائیں اگر تم کو ایسا شخص ملے کہ جس کا ذہن صاف ہو اور وہ بھی بہت خواہش رکھتا ہو تو پڑھاتے وقت ان حکماء کی خطاؤں سے اسے اس طرح آگاہ کرتے جاؤ کہ ان کے قصوروار ہونے کا اس کو بخوبی یقین ہو جائے۔ حکماء کے طرفداروں نیز ان کے اہل مذہب کے رد اقوال اور ان کے ساکت کرنے پر اسے پوری قوت حاصل ہو جائے مگر جو شخص زیادہ ذہین اور علوم میں بھی اچھی استعداد نہ رکھتا ہو تو اولیٰ و مستحسن یہی ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ اپنا وقت ضائع نہ کرنا کیونکہ ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر متوسطین اور قلیل البضاعت لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ارباب ذکا سے ہیں مگر جب انہوں نے ان علوم کو کثرت سے حاصل کیا اور ان علوم سے انہیں موانست ہوگئی تو وہ دین مستقیم سے پھر گئے اور ان لوگوں میں داخل ہو گئے جن کا نہ کوئی مذہب ہے نہ دین۔ ایسا شخص اگرچہ زبانی مدعی ہو کہ میں ارباب ایمان سے ہوں لیکن اس کا دل اس کے قول کی موافقت نہیں کرتا اور اس کا فعل اس کے قول سے مخالف رہتا ہے۔

عمل بہ علم

اے فرزند حق تعالیٰ نے تمہیں جس کا علم عطا کیا ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق کو زیادہ کرے۔ آگاہ ہو کہ اس عالم میں نیکی نہیں ہے جو اپنے علم کے موافق عمل نہ کرے۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ علماء دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے علم کے موافق عمل کرتے ہیں اور وہ بیشک ناجی ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اور وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ جس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا اس عالم کی بدبو سے اہل جہنم تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اہل دوزخ میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت اس عالم کو ہوگی جس نے خدا کی طرف کسی بندہ کو بلایا ہو اور اس نے جب اس کی ہدایت کے موافق عمل کیا تو خدائے برتر نے اطاعت کی وجہ سے اس کو داخل بہشت فرمایا لیکن وہ عالم و ہادی اپنے علم پر عامل نہ ہو کر جہنم کا مستحق ہوا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ علم عمل کے ساتھ رہتا ہے۔ جس نے سیکھا اس نے

عمل کیا اور جس نے عمل کیا گویا اسی نے سیکھا۔علم آواز دیتا ہے کہ میرے موافق عمل کرو اگر اس نے علم
کے موافق عمل کیا تو بہتر ورنہ اس سے وہ علم زائل ہوجاتا ہے۔ اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں ان
حدیثوں کے صدق پر حق تعالیٰ کا یہ قول کافی روشنی ڈالتا ہے "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَاتَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَاتَفْعَلُوْنَ" (کیوں کہتے ہو اس چیز کو جسے خود تم نہیں کرتے۔خدا کے نزدیک
یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں) حاصل کلام یہ کہ جب علم کے موافق عمل نہ کیا
جائے گا تو وہ علم صاحب علم کو بجز کفر اور خدا سے دوری کے اور کوئی دوسرا فائدہ نہ پہونچائے گا۔

اجتہاد بالرّائے

اے فرزند میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ بغیر علم کے محض اپنی رائے سے فتویٰ نہ دینا۔بغیر علم
یا کسی عالم کی ہدایت کے جو فتویٰ دیتا ہے فرشتگان رحمت وعذاب اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے
گناہ کے مطابق ان لوگوں کا بھی گناہ ہوتا ہے جو اس کے فتوے پر عمل کرتے ہیں۔تمہیں جس کا علم نہ
ہو اس کے متعلق اپنے عدم علم کا اقرار لازم ہے۔تمہارا یہ کہنا کہ میں اسے نہیں جانتا اس سے بہتر ہے کہ
تم بغیر علم کسی چیز کو بیان کردو۔آگاہ ہو کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا آخرت میں زیادتی عذاب کا باعث اور
دنیا میں ندامت کا سبب ہے۔تمہارے لئے اس امر میں حق تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ
بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ۔ (جو شخص حکم خدا کے خلاف کوئی حکم دے وہ کافر ہے)

اَیْضاً اَلَمْ یُؤْخَذْ مِیْثَاقُ الْکِتَابِ اَنْ لَّا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ (کیا قرآن مجید میں تم
سے عہد نہیں لیا گیا کہ نہ کہو تم خدا کے متعلق مگر حق)

علم پر غرّہ

اے فرزند اس پر گھمنڈ لازم نہیں کہ تمہیں خدا نے علم عطا کیا ہے کیونکہ جو شخص اس لئے علم
حاصل کرتا ہے کہ اس علم سے علماء پر فخر یا اس علم کے ساتھ احمقوں سے لڑے جھگڑے اور اس کے سبب
سے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو وہ جہنم میں اپنی جگہ بناتا ہے۔

تعظیمِ فقہاء وتکریم علماء

اے فرزند فقیہوں کی تعظیم اور عالموں کی تکریم تم پر لازم ہے۔ جناب رسول مقبولؐ نے
فرمایا ہے کہ فقیہ مسلم کی جو عزت کرے گا وہ روز قیامت حق تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ

خدا اس سے راضی اور خوش ہوگا۔فقیہ مسلم کی جو توہین کرے گا حق تعالیٰ روز حشر اس پر غضبناک ہوگا۔
تمہیں فقیہ عالموں کی ہمنشینی لازم ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ حواریین نے حضرت عیسیٰؑ سے عرض کی یا روح اللہ ہم کس کے
پاس بیٹھا کریں۔ارشاد ہوا اس کے پاس جس کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے۔اس کی بات سے
تمہارے علم میں زیادتی اور اس کے علم سے تمہیں آخرت کی طرف رغبت ہو۔

جناب امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے کہ عالم سے گھوڑوں پر ملاقات کرنا بہتر ہے جاہل کے
فرشہائے نفیس پر بیٹھ کر بات کرنے سے۔

اہل بدعت سے احتراز

تم کو اہل بدعت سے بچنا چاہئے۔حضرت سرورؐ انبیاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجلس بدعت
میں حاضر ہو اور اس کی تعظیم کرے گویا اس نے اسلام کی خرابی میں کوشش کی۔

احقاق حق وابطال باطل

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط جس وقت موجود ہوں تم پر اظہار حق اور باطل کا
مٹانا واجب ولازم ہے کیونکہ حضرت رسولؐ کریم نے فرمایا ہے کہ جب کسی بدعت کا ظہور ہو تو عالم کو اپنا
علم ظاہر کرنا چاہئے اور جو ظاہر نہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

دعا

اے لخت جگر میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دل کو ذکر خدا کی طرف متوجہ کرو، ریسمان
خدا کو مضبوط تھامو، نفس کو ہر امر میں خدا کی طرف راجع رکھو کیونکہ یہی خدا کی طرف رجوع رہنا ہی تمام
آفتوں کی سپر ہے۔تم کو اپنے رب سے سوال کرتے وقت نیت خالص رکھنی چاہئے کیونکہ محروم رکھنا اور
کامیاب کرنا اس کے اختیار میں ہے۔حق تعالیٰ نے اسی دعا کی وجہ سے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کی
اس طرح مدح فرمائی ہے اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ۔ (ابراہیمؑ خوف خدا سے ڈرنے والا اور بردبار ہے
) حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ "اوّاہ" کے معنیٰ دعا کرنے والے کے ہیں۔

حنان ابن سدیر اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں (سدیر) نے خدمت جناب امام
محمد باقرؑ میں عرض کی کہ کون سی عبادت افضل ہے؟ فرمایا: خدا کے نزدیک اس سے زیادہ اور کچھ افضل

نہیں کہ اس سے وہ چیز مانگیں جو اسی خدا کے پاس ہے، خدا کے نزدیک اس شخص سے زیادہ کوئی دشمن نہیں جو عبادت میں غرور کرے اور خدا سے وہ چیز نہ مانگے جو اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جو شخص خدا سے تفضّل کی امیدواری نہ کرے گا وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔

سیف تمار سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہیں دعا کرنا لازم ہے کیونکہ دعا تم کو خدا سے قریب کر دیتی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی خدا سے مانگتے وقت نظر انداز نہ کرو کیونکہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا وہی مالک ہے تمہیں اس طرز عمل میں جناب امیرؑ کی پیروی حاصل ہوگی کیونکہ وہ جناب ہمیشہ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ دعا نجات وفلاح کی کنجی ہے۔ وہ بہترین دعا ہے جو سینۂ بے کینہ اور پاک دل سے نکلے۔ جب تم پر خوف ودہشت کی زیادتی ہو تو خدا ہی کی طرف جائے پناہ ہے۔ اے فرزند تمہیں دعا کرنا لازم ہے کیونکہ دعا ہی بلاء وقضا کو دور کرتی ہے۔ دعا میں ہر درد کی شفا ہے۔ دعا کے دیر میں قبول ہونے سے دل تنگ وناامید نہ ہو کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کا علم تم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

محمد ابن ابی نصر سے منقول ہے کہ میں نے خدمت حضرت ابوالحسنؑ میں عرض کی یا مولا میں آپ پر فدا ہوں۔ مدت ہوئی کہ میں نے خدا سے ایک حاجت کا سوال کیا تھا ابھی تک حاجت روائی نہ ہونے سے اب میرے دل میں خدشہ گزرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے احمد تو شیطان سے پرہیز کر کہ وہ تجھے یہ دکھا کر خدا سے ناامید کر دے۔ تیرے لئے حق تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے ''لَاتَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ (رحمت خدا سے ناامید نہ ہو) اور ''وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ'' (یارسولؐ آپ سے جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو فرما دیجئے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں)

توکّل بہ خدا

جب تمہیں کوئی امر درپیش ہو تو خدا پر بھروسہ کرو اور نہایت رغبت سے فوراً شروع کر دو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ خدا نے جناب داؤد کی طرف وحی نازل فرمائی کہ جب ہمارا بندہ سچے دل سے ہم سے پناہ چاہتا اور کسی مخلوق کا سہارا نہیں ڈھونڈھتا ہے تو پھر زمین وآسمان اگر اس

سے مکر وفریب کریں اور زمین وآسمان کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ بھی فریب کریں تب بھی ہم اپنے بندہ کے لئے امن وآسائش کا راستہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ کسی مخلوق کا سہارا ڈھونڈھتا ہے تو ہم اس کی نیت پہچان کر تمام اسباب ارضی وسماوی کو قطع کر دیتے ہیں پھر اگر وہ کسی وادی میں ہلاک بھی ہو جائے تو ہمیں کچھ خیال نہیں ہوتا۔

ابوحمزۂ ثمالی جناب سید الساجدین سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر سے نکلا اور دیوار تک پہنچ کر گر پڑا دیکھا کہ ایک شخص دو سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے منہ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آخر کار اس شخص نے کہا یا علیؑ بن الحسینؑ کیا سبب ہے کہ میں آپ کو رنجیدہ ومحزون دیکھتا ہوں؟ اگر دنیا کے لئے رنجیدگی ہے تو رزق خدا ہر نیک وبد کے لئے مہیا ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس کا رنج نہیں کیونکہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا تم نے بیان کیا۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اگر آپ آخرت کے لئے مغموم ہیں تو یوم آخرت کا وعدہ سچا ہے اور اس دن کا حاکم بادشاہ قاہر وقادر ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس کا بھی رنج نہیں کیونکہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے کہا۔ اس نے پوچھا کہ آخر آپ کو پھر کون سا ملال ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں فتنۂ ابن الزبیر سے ڈرتا اور اس چیز سے خوف کرتا ہوں جس میں لوگ مبتلا ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں وہ شخص ہنسا اور کہا یا علیؑ بن الحسینؑ آیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے خدا سے دعا کی ہو اور اس نے قبول نہ فرمائی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ پھر اس شخص نے کہا آیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے توکل کیا ہو اور حق تعالیٰ نے کفالت نہ کی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ پھر اس نے پوچھا آیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جس نے خدا سے کسی امر کا سوال کیا ہو اور اس نے اس کو عطا نہ کیا ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ یہ سن کر وہ غائب ہو گیا۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ تونگری وعزت ہمیشہ گردش میں رہتی ہیں۔ مقام توکل یعنی خدا پر توکل کرنے والے کے دل کو جب پاتی ہیں تو ٹھہر جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (خدا پر جو توکل کرتا ہے اس کے لئے خدا کافی ہے) توکل کے متعلق جناب امیرؑ سے جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ توکل کے بہت سے درجہ ہیں ایک درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر اپنے تمام امور میں توکل کیا جائے اور حق تعالیٰ بندہ کے لئے جو کچھ پسند فرمائے اسی پر وہ راضی رہے اور یقین رکھے کہ وہ میرے ساتھ فضل ونیکی کرنے میں کمی نہیں کرتا اور یہ بھی سمجھے کہ ہر امر

میں اسی کا حکم جاری ہے پھر اپنے تمام امور خدا کو سونپ کے اسی کی ذات پر بھروسہ کرے اور تمام امور میں خدا ہی پر اعتماد رکھے۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ خدا جس شخص کو تین چیزیں عطا فرماتا ہے اس کے لئے اپنے اختیار کی تین چیزیں نہیں روکتا:

۱- جس کو دعا کی توفیق دیتا ہے اس کی دعا قبول کرتا ہے۔

۲- جسے شکر کی توفیق دیتا ہے اس کو زیادتی عطا کرتا ہے۔

۳- جسے توکل کی توفیق دیتا ہے مشکلوں میں اس کی مدد فرماتا ہے۔

یہ فرما کر ارشاد کیا کہ تو نے قرآن مجید میں پڑھا ہے؟ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (خدا پر جو توکل کرتا ہے اس کے لئے وہ کافی ہے) لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر میرا شکر بجالاؤ گے تو میں یقیناً تم پر نعمت کی زیادتی کروں گا) اُدْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا)

(مترجم:- توکل بخدا کے یہ معنیٰ ہیں کہ بندہ اپنے کسی امر میں مخلوقات پر بھروسہ نہ رکھے صرف خدا سے امیدوار رہے۔ توکل مشتق ہے وکل سے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ وَكِيْلاً (میرے سوا تم کسی کو اپنا وکیل نہ کرو) اپنے امور میں خدا ہی پر اعتماد رکھو۔ توکیل کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شخص کسی پر اعتماد کرے اور اسے اپنا قائم مقام بنائے کہ وہ اس کے تمام کام انجام دے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً (اور کافی ہے اللہ سا وکیل) وکیل بھی اسم حق تعالیٰ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم خدا پر اس طرح توکل کرو گے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو تمہارے تمام امور بر آئیں گے۔ توکل اس طرح کرنا چاہئے کہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ خدا کے سوا کوئی کچھ کرنے والا نہیں ہے۔ خواہ وہ روزی دینا ہو یا کوئی چیز عطا کرنا ہو کیونکہ ہر چیز خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ ایسے کامل الیقین بندہ کو بوجہ احسن لازم ہے کہ اپنے تمام امور میں نہایت عاجزی و گریہ وزاری سے درگاہ الٰہی میں رجوع کرے۔

معانی الاخبار میں توکل علی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ بندہ اس بات کا یقین کر لے کہ خدا کے سوا مخلوق میں سے نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، کچھ دے سکتا ہے نہ لے سکتا ہے۔ غرضکہ خدا کے سوا کسی سے امید نہ رکھے جو بندہ ایسا ہوگا اس کا ہر عمل خدا کے لئے ہوگا۔ خدا کے سوا کسی سے نہ وہ امید

رکھے گا نہ خائف ہوگا نہ کسی چیز میں اور سے طمع کرے گا۔ بعض لوگ توکل کے یہ معنیٰ کس طرح خیال کرتے ہیں کہ انسان جب توکل کرے تو بس ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے اور معاش کی فکر قطعاً چھوڑ دے۔ ایسا خیال جہالت پر مبنی بلکہ حرام ہے۔)

استخارہ واستشارہ

اے فرزند تمہیں ہر امر خصوصاً اہم اور مشکل کاموں میں حق تعالیٰ سے استخارہ کرنا لازم ہے کیونکہ استخارہ خطا سے بچنے کا ذریعہ اور رضا جوئی خدا کا طریقہ ہے۔ استخارہ وہ نور ہے جس سے ظلمتکدۂ حیرت میں روشنی طلب کی جاتی ہے اور یہ ایسا ہادی ہے کہ انسان اس سے ہدایت پاتا ہے۔

''برقی'' نے اپنی کتاب ''محاسن'' میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔ حضرت نے ارشاد کیا: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ امر بھی میرے بندہ کی بدبختی سے ہے کہ اپنے کاموں میں وہ مجھ سے استخارہ نہ کرے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان استخارہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ ضرور اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتا ہے۔ پھر حضرت سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی کام بغیر استخارہ کے شروع کرے اور بعد ازاں کسی بلا میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لئے کچھ اجر نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے اور بہت خوب فرمایا ہے کہ صاحب عقل کے لئے بغیر حق کو معلوم کئے ہوئے کسی امر میں مصروف ہونا کیونکر بہتر ہوگا۔ اوامر و نواہی میں جو چیز محصور ہے اس کا اختیار کرنا بغیر استخارہ واستشارۂ ربانی کس طرح بندہ کے لئے مناسب ہوگا۔ پھر بغیر کسی واقفیت اور واقف کار کے اہم اور مشکل کاموں میں کسی عاقل کا مصروف ہونا کیونکر اچھا ہوگا بلکہ جب تک خدائے علیم و خبیر سے استخارہ نہ کر لے وہ ایسے امور کس طرح شروع کرے گا جن کے انجام کی اسے مطلق خبر نہیں۔ جو خدا سے طلب خیر اور مشورہ نہیں کرتا وہ خود ہی اپنی مضرت رسانی و گرفتاریٔ بلا کا باعث ہوتا ہے کیونکہ اس نے بغیر فکر و تدبیر محض اپنی رائے سے آغاز کار کیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ جس نے طلب خیر میں تقصیر کی وہ مصیبت کے بھنور میں گرفتار ہوا۔ جس نے عاقبت کا خوف کیا وہ ان تمام بلاؤں پر ثابت قدم رہا جو ناگہاں اس پر آنے والی ہیں، جس نے کسی امر پر بغیر علم کے سبقت کی اس نے اپنے کو ذلیل کیا۔ جس نے جانا نہیں وہ سمجھا نہیں، جو سمجھا نہیں وہ سالم نہیں رہ سکتا، جو سالم نہیں رہ سکتا اسے کرامت حاصل نہیں ہو سکتی جسے کرامت حاصل نہیں ہو سکتی اس نے اپنی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، جس نے اپنی ہڈیوں کو ریزہ

ریزہ کرڈالا وہ زیادہ تر قابل ملامت ہے، جو اس طرح کی ملامت کا سزاوار ہے وہ اسی لائق ہے کہ اسے ہر جگہ ندامت حاصل ہو۔

حضرت رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر علم کے عمل کرے گا اس کا فساد اکثر اُسی چیز سے ظاہر ہوگا جس سے کہ وہ اصلاح کرتا ہے۔ یہ تحقیق کہ میں نے اپنے عمل میں حق تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس نے مجھے رشد کا طریقہ بتادیا۔(انتھیٰ)

استخارہ کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ ہر طریقۂ استخارہ خصوصاً استخارۂ ذات الرقاع سے میرے لئے جس قدر خوبیاں اور بڑی بڑی مصلحتیں ظاہر ہوئی ہیں اگر میں ان کے اظہار کا قصد کروں تو بیان طولانی اور میرا کلام بھی اس مبحث سے خارج ہوجائے گا جس کا ذکر مجھے منظور ہے۔ استخارہ کی بالکل معمولی خوبیاں یہ ہیں:

آنحضرتؐ کا قول ہے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (عمل کا مدار نیتوں پر ہے) جس کی جیسی نیت ہو گی اس کے لئے ویسا ہی ظاہر ہوگا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَ کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (اور ہر شخص کا عمل ویسا ہی ہوتا ہے جیسی اس کی خصلت ہوتی ہے) بندہ جب استخارہ کرتا اور حکم خدا کے موافق عامل ہوتا ہے تو یہ عین طاعت وعبادت ہے کیونکہ جب عادتیں خوش نیتی پر مبنی ہوتی ہیں تو عبادتیں ہوجاتی ہیں اور جو عبادتیں نیک نیتی سے واقع ہوتی ہیں وہ عادتیں ہوجاتی ہیں۔ اے فرزند تم کو معلوم رہے کہ استخارہ میں اس امر سے راضی رہنا لازم ہے جس کو خالق اکرم نے اس کے لئے جائز کیا ہے۔ ایسا خالق جو انجام کار سے بخوبی واقف ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جن سے نفس کو کراہت ہوتی اور ان سے انکار ہی رہتا ہے مگر انجام کار کا جاننے والا بندہ کے لئے انہیں کو مناسب سمجھتا اور حکم دیتا ہے کہ تجھے یہی کرنا چاہئے، تیرے خدا کی یہی مرضی ہے، تیری فلاح وبہبودی اسی میں ہے۔ بہت سے امور ایسے بھی ہیں جن کی طرف نفس راغب اور ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے مگر حق تعالیٰ چونکہ یہ جانتا ہے کہ ان میں برائی ہے لہٰذا بندہ کے لئے ان کو پسند نہیں کرتا چنانچہ خود فرماتا ہے: وَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور خدا تو جانتا ہی ہے مگر تم نہیں جانتے) بعض علماء نے خوب افادہ فرمایا ہے کہ تمہیں نصیحت مخلوق پر تو اعتماد ہوتا ہے جو تمہاری ہی طرح ہیں۔ پھر خالقِ عالم پر تم کیوں بھروسہ نہیں

کرتے اور خدا کے اختیار کئے ہوئے امر نیز اس کی نصیحت کو برا جانتے ہو اور تمہاری خواہش اس کی طرف راغب نہیں ہوتی اور تمہاری طبیعت اپنے افسوس وندامت ورنج وغضب کو ظاہر کرتی ہے تو یہ بتاؤ کہ آیا تم اپنے پروردگار سے زیادہ کسی کو اپنے اصلاح حال میں دانا وبینا سمجھتے ہو۔ آیا تم کسی کو اپنے خدا سے بڑھ کر شفیق ورحیم پاتے ہو حالانکہ خداوند عالم ہم پر ماں باپ سے زیادہ رحیم وشفیق ہے۔ یہ امر اہل سعادت کے نزدیک بدیہی ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں (خدانخواستہ) اگر تم اہل سعادت سے نہ ہو اور اپنے ہاتھ سے ایسے رحیم کے دامن کو نہ تھامے رہو اور تم پر طبع شیطانی وخواہش نفسانی غالب ہو تو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف راستہ چلنا تم کو لازم ہے مگر تم ندامت اٹھانے کے لئے مستعد رہو۔ ہمیں اور تمہیں خواہش نفسانی سے خدا محفوظ رکھے۔ وہ ہم کو اور تم کو اسی چیز کی توفیق عطا فرمائے جسے خود مرغوب رکھتا ہو اور جس سے راضی ہے (انتہیٰ) اس کے متعلق ہمارے ائمہ علیہم السلام سے بکثرت روایتیں مروی ہیں۔ جناب امیرؑ سے منقول ہے: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھ سے استخارہ یعنی طلب خیر کرتا ہے تو میں اس کے لئے نیکی کو اختیار کرتا ہوں مگر وہ غضبناک ہوتا ہے۔

ہمارے بعض علماء نے روایت کی ہے کہ ہم نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کے نزدیک بزرگترین خلق کون ہے؟ فرمایا کہ جو کثرت سے خدا کا ذکر اور اس کی اطاعت گذاری کرتا ہو۔ پھر سوال کیا کہ دشمن ترین خلق کون ہے؟ فرمایا کہ جو حق تعالیٰ پر تہمت لگاتا ہو۔ ایک نے عرض کیا کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پر تہمت لگائے فرمایا ہاں وہ شخص جو حق تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے اگر استخارہ اس امر کے لئے خوب آیا جو اسے برا معلوم ہوتا ہے تو وہ خدا پر غضبناک ہوتا ہے اور یہی وہ شخص ہے جو خدا پر تہمت لگاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جناب سید الساجدینؑ جب کسی امر یعنی حج وعمرہ یا خرید وفروخت یا کسی کو آزاد کرنے کا قصد کرتے تھے تو وضو فرما کر دو رکعت نماز استخارہ کی نیت فرماتے اور دونوں رکعتوں میں سورۂ رحمٰن، سورۂ حشر، سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے بعد ازاں درگاہ خدا میں عرض کرتے تھے کہ پروردگارا! اگر اس مقصد کے جلد یا بدیر حاصل ہونے میں میرے لئے دین، دنیا وآخرت میں بہتری ہو تو بہترین وجوہ کے ساتھ اس کے حصول کو مجھ پر آسان کردے اور اگر میرے لئے اس میں دین ودنیا وآخرت میں کوئی برائی ہو تو اس کو باحسن وجوہ مجھ سے پھیر دے۔ خداوندا! تو میری صلاح وبہتری ہی کو میرے لئے تجویز فرما اگرچہ میرا نفس اسے برا جانتا ہو۔

ایسی بہت سی حدیثیں ہیں۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ استخارہ میں کوئی امر میرے خلاف رائے ظاہر ہو یا موافق مرضی، میں کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

اے فرزند استخارہ کے بعد برادران ایمانی سے مشورہ کرنے کی تمہیں وصیت کرتا ہوں نیز اس امر کی کہ بارگاہ ایزدی میں تم عرض کرو کہ تو ان کی زبانوں پر وہ امر جاری فرمادے جس میں دین و دنیا کی بہتری ہو جیسا کہ اکثر احادیث نبویؐ اور اخبار ائمہؑ سے ظاہر ہوتا اور لوگوں کو مشورہ کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

مشورہ کے متعلق چند حدیثیں جناب امام جعفر صادقؑ سے نقل کی جاتی ہیں:-

۱- حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ صاحب عقل و دانش سے مشورہ کرنا کیونکہ اس کی نصیحت میں خیر و برکت اور حق تعالیٰ کی توفیق شامل ہے۔ ناصح عاقل جب تمہیں کوئی مشورہ دے تو اس کے خلاف نہ کرنا چاہیئے۔ اگر خلاف کروگے تو رنج و تعب اٹھاؤگے۔

۲- جب تم کسی بلا میں مبتلا ہو اور کوئی صورت نجات نہ معلوم ہوتی ہو تو مرد عاقل و پرہیزگار سے مشورہ کرو۔

۳- مرد عاقل و پرہیزگار کے مشورہ پر اگر عمل کیا جائے گا تو حق تعالیٰ اس کو پست نہ ہونے دے گا بلکہ اس کے مرتبہ کو بلند کرے گا اور ایسے امور کی طرف ہدایت فرمائے گا جو حق تعالیٰ سے اس کو قریب کردیں۔

۴- حضرت رسولؐ خدا سے کسی نے سوال کیا کہ حزم و احتیاط کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ صاحبان رائے سے مشورہ کرنا اور اس پر عامل ہونا۔

۵- حضرت رسولؐ خدا نے جناب امیرؑ سے جو وصیتیں فرمائی ہیں ان میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ یا علیؑ مشورہ سے زیادہ محکم اور کوئی پشت پناہ نہیں ہے۔ نہ کوئی عقل مثل تدبیر ہے۔

۶- جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ توریت میں چار چیزیں منقول ہیں:

(الف) جو شخص مشورہ نہیں کرتا وہ ندامت اٹھائے گا۔

(ب) فقر موت اکبر ہے۔

(ج) تو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔

(د) جو شخص کسی چیز کا مالک ہوا سے لازم ہے کہ پہلے اس میں سے غیر کو دے۔

۷- جناب امیرؑ نے اپنے کسی کلام میں فرمایا ہے کہ تو اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ کر جو خدا سے ڈرتے ہوں۔

۸- مشورہ کی وجہ سے کوئی شخص ہلاکت میں نہیں پڑتا۔

۹- حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے غلام سعد کی رحلت کے وقت ارشاد فرمایا کہ تو مشورہ کر اور کسی ایسے شخص کو بلا جو صاحب فضیلت اور امین ہو۔ سعد نے کہا کہ میں حضور ہی سے مشورہ کرتا ہوں۔ حضرت نے غضبناک ہو کے فرمایا کہ جناب ختمی مآبؐ اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے اور مشورہ کے بعد جو امر طے ہوتا اس پر اپنے ارادہ کو مستحکم فرمادیتے تھے۔

۱۰- فضیل ابن یسار سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے ایک مرتبہ کسی امر میں مشورہ فرمایا میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے۔ آپ سا جلیل القدر مجھ ایسے ذلیل سے مشورہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ جب میں تم سے مشورہ کروں گا تو تم مشورہ دینے کے قابل ہوجاؤ گے۔

۱۱- حسن ابن جہم سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم خدمت امام جعفر صادقؑ میں موجود تھے اور حضرت کے والد ماجد جناب امام محمد باقرؑ کا ذکر کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت کی عقل کے برابر کسی کی عقل نہیں تھی۔ آپ اکثر اوقات حبشیوں سے مشورہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ایسے لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں جو آپ کے برابر نہیں فرمایا کہ کبھی کبھی حق تعالیٰ ان کی زبان پر حق کو جاری کردیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسباب و باغات خریدنے میں آپ کو وہ لوگ مشورہ دیتے اور حضرت اس پر عمل فرماتے تھے۔

استخارہ کے بعد لوگوں سے مشورہ کرنے کے متعلق جو حدیثیں دلالت کرتی ہیں ان میں سے کچھ لکھی جاتی ہیں:

۱- حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہے تو جب تک کہ خدا سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کرلے کسی اور سے مشورہ نہ کرے کیونکہ حق تعالیٰ کے مشورہ سے جب اپنا کام شروع کرے گا تو وہ اپنی مرضی یعنی نیکی اور بہتری کو مشورہ دینے والے کی زبان پر جاری کرے گا۔ اسی طرح شیخ مفیدؒ نے بھی حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے۔

۲- کتاب مَنْ لَایَحْضُرُہُ الْفَقِیْہُ میں ہارون ابن خارجہ سے روایت ہے حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہے تو جب تک خدائے تعالیٰ سے مشورہ نہ کرلے کسی اور سے مشورہ نہ کرے۔ میں نے عرض کیا یا حضرت میں آپ پر فدا ہوں خدا سے کیوں کر مشورہ کروں فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ سے استخارہ کر اس کے بعد لوگوں سے مشورہ لے جب تو مصلحت خدا کے موافق اپنا کام شروع کرے گا تو جسے تو خلق میں اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے اس کی زبان پر حق تعالیٰ تیری بہتری کو جاری کرے گا۔

۳- مکارم الاخلاق میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جب تو کوئی کام کرنا چاہے تو اس کے متعلق جب تک کہ اپنے پروردگار سے مشورہ نہ کرلے کسی اور سے مشورہ نہ کر۔ میں نے عرض کیا کہ پروردگار عالم سے کیونکر مشورہ کروں فرمایا کہ سو مرتبہ اَسْتَخِیْرُ اللّٰہَ کہہ اور اس کے بعد لوگوں سے مشورہ کر بتحقیق کہ جسے تو دوست رکھتا ہے حق تعالیٰ تیری بہتری کو اس کی زبان پر جاری کرتا ہے۔

۴- کتاب ذکریٰ مصنفۂ جناب شہیدؒ میں لکھا ہے کہ سید رضی الدین نے معتبر سندوں کے ساتھ اسحاق ابن عمار کی زبانی روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کچھ خریدنا یا بیچنا یا کوئی کام کرنا چاہے تو پہلے خدا سے طلب خیر اور اس سے سوال کرے۔ میں نے عرض کیا کہ کس قاعدہ سے۔ فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ کَذَا وَ کَذَا فَاِنْ کَانَ خَیْراً فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ آجِلِہٖ یَسِّرْہُ لِیْ وَاِنْ کَانَ شَرًّا لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ رَبِّ اِعْزِمْ لِیْ عَلٰی رُشْدِیْ وَاِنْ کَرِھْتُہٗ وَ اَبَتْہُ نَفْسِیْ (خداوندا! میں ایسا ایسا چاہتا ہوں اگر اس امر کے جلد یا بدیر حاصل ہونے میں میرے لئے دین و دنیا میں بہتری ہو تو اس کو میرے لئے سہل و آسان کردے اور اگر اس امر میں میرے لئے دین و دنیا میں برائی ہو تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور باز رکھ۔ خداوندا! جس امر میں حتماً میرا رشد ہو اسی کو تو میرے لئے اختیار فرما اگرچہ میرے نفس پر شاق گذرے اور مجھے اس سے کراہت ہو) پھر اس کے بعد دس مومنوں سے مشورہ کر۔ دس مومن اگر نہ ممکن ہوں تو پانچ ہی سے سہی مگر ان پانچ مومنوں سے دو دو مرتبہ مشورہ کر۔ ان اخبار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مشورہ سے پہلے استخارہ کرنا چاہئے یعنی حق تعالیٰ سے طلب خیر کو مقدم رکھے تاکہ حق تعالیٰ بندہ کی بہتری کو مشورہ دینے والے کی زبان پر جاری کرے یا اس طریقہ سے بارگاہ احدیت میں سوال کرے کہ حق تعالیٰ مشورہ کرنے کی اجازت نہ دے مگر اسی قدر کہ جتنے میں اس کی صلاح و بہتری ہو اور پہلے ہی ایسا استخارہ نہ

دیکھ لے کہ میں فلاں کام کروں یا نہ کروں جیسا کہ استخارۂ ذات الرقاع و قرآن مجید سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کیونکہ یقین کے بعد پھر مشورہ بیکار ہے۔ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ استخارۂ قرآن مجید و ذات الرقاع کس طرح مشورہ پر مقدم ہوں گے کیونکہ مشورہ مقدم ہے استخارہ پر یعنی جبکہ مشورہ کے بعد بھی اس کام کی اچھائیاں اور برائیاں سمجھ میں نہ آنے کے سبب سے تردد باقی رہے اور تحیر نہ زائل ہو تو ایسی حالت میں بندہ کو ایسا استخارہ کرنا چاہئے جس سے اس فعل پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت ہو جائے اور اسی کے مطابق عمل کرے درآں حالیکہ وہ شخص خدا پر متوکل اور اپنے امور کا خدا کو سپرد کرنے والا ہو۔

اے فرزند عورتوں سے مشورہ نہ لینا کیونکہ احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ کتاب کافی میں منقول ہے کہ جناب امام محمد باقرؑ کے حضور میں عورتوں کا ذکر ہوا حضرت نے فرمایا کہ امور مخفیہ میں ان سے مشورہ نہ لو اور صاحبان قرابت کے بارہ میں وہ جو کچھ کہیں اسے ہرگز نہ مانو۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ تم عورتوں کے مشورہ سے پرہیز کرو کیونکہ ان میں ضعف و سستی و عاجزی ہے۔

جناب امیرؑ نے فرمایا کہ عورتوں کی مخالفت میں برکت ہے پھر فرمایا کہ جو شخص عورتوں کو اپنے گھر کا مدار المہام بنائے وہ ملعون ہے۔

حضرت رسولؐ خدا جب کوئی جنگ سر کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو عورتوں کو بلا کر مشورہ کرتے اور وہ جو کچھ مشورہ دیتیں اس کے خلاف عمل فرماتے تھے۔

حضرت ختمیؐ مرتبت نے فرمایا ہے کہ عورتوں سے امور مخفیہ میں مشورہ نہ کرو اور صاحبان قرابت کے بارے میں وہ جو کچھ کہیں اسے ہرگز نہ مانو۔ پھر فرمایا کہ عورت کا مطیع ندامت اٹھایا کرتا ہے۔ پھر عورتوں کا تذکرہ کر کے ارشاد فرمایا کہ امور جائز میں ان کی نافرمانی کرو قبل اس کے کہ وہ تم سے امور ناجائز کی فرمائش کریں۔ تم درگاہ خدا میں بری عورتوں سے پناہ مانگو اور اچھی عورتوں سے خائف رہو۔

جناب امیرؑ نے اپنے بعض ارشادات میں فرمایا ہے کہ تم بری عورتوں سے ڈرو اور اچھی عورتوں سے خائف رہو۔ اگر وہ تم سے امور جائز کی فرمائش کریں تو ان کی مخالفت کرو تاکہ امور ناجائز پر عامل ہونے کی تم سے امید نہ رکھیں۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا ہے کہ تم بارگاہ رب العزت میں بری

عورتوں سے پناہ مانگو اور اچھی عورتوں سے خائف رہو۔ امور جائز میں بھی ان کی اطاعت نہ کرو کیونکہ پھر وہ چاہیں گی کہ تمہیں امور ناجائز کا مرتکب بنائیں۔

من لایحضرہ الفقیہ میں ہے کہ ایک شخص نے اصحاب جناب امیرؑ سے اپنی عورتوں کا شکوہ کیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مردم کسی حال میں عورتوں کی اطاعت نہ کرو۔ اپنے مال کو ان کے پاس امانت نہ رکھو اور امور خانہ داری (متعلق عیال) ان کے سپرد نہ کرو۔ اگر وہ اپنی حالت پر چھوڑ دی جائیں گی تو ایسی ہی باتیں کریں گی جو کہ تہلکہ میں ڈال دیں کیونکہ وقت حاجت انہیں کسی چیز سے پرہیز نہیں ہوتا اور جب انہیں کسی شے کی خواہش ہوتی ہے تو صبر نہیں آتا۔ ہر چند کہ وہ سن رسیدہ اور بوڑھی ہو جائیں لیکن پھر بھی انہیں اپنے بدن کا آراستہ کرنا لازم ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ عاجز ہوں مگر ان کو غرور لاحق رہتا ہے۔ انہیں بہت دیا جائے تو بھی شکر نہیں کرتیں اور اگر کچھ نہ دو تو تمام نیکیاں بھلا کر برائیاں ہی برائیاں یاد رکھتی ہیں۔ سرکشی میں زیادتی، امور شیطانی کی پیروی، بہتان بازی اور افترا پردازی میں اپنے اوقات بسر کرتی ہیں۔ ہر حالت میں ان سے خاطر و مدارات کے ساتھ پیش آؤ ان سے اچھی اچھی باتیں کرو امید ہے کہ وہ راہ نیک اختیار کریں۔

جناب امیرؑ کی وصیت میں ہے کہ عورتوں سے مشورہ نہ کرو اور ان سے اپنی نگاہوں کو بچاؤ کیونکہ ان پر شرم و حجاب کا کچھ زور نہیں ہے۔ ان کے پاس کسی کا آنا اُن کو ناگوار نہیں ہوتا۔ جہاں تک ہو سکے ایسا کرو کہ وہ غیر کو نہ پہچان سکیں۔

اے فرزند استشارہ کے لئے بھی کچھ حدود مقرر ہیں اگر ان شرطوں کے مطابق مشورہ نہ ہوا تو بجائے نفع کے طالب مشورہ کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔

برقی نے ابو عبداللہ سے روایت کی ہے کہ مشاورت کے چار حدود ہیں:

(ا) جس سے مشورہ کیا جائے وہ صاحب عقل سلیم ہو کیونکہ جب عاقل ہوگا تو اس کے مشورہ سے تجھے نفع پہنچے گا۔

(ب) آزاد و صاحب امانت و دیانت ہو کیونکہ آزاد و امین ہوگا تو نصیحت میں مبالغہ کرے گا۔

(ج) مثل بھائی کے سچا دوست ہو کیونکہ سچا دوست ہوگا تو تیرے راز سے کسی کو واقف نہ ہونے دے گا۔ نیک مشورہ دے گا اور جو نصیحت کرنے کا حق ہے اس طرح نصیحت کرے گا۔

(د) جیسا کہ تو اپنے راز سے واقف ہے اسی طرح وہ بھی تیرے مافی الضمیر سے آگاہ ہو جائے اور وہ تیرا بھید کسی پر ظاہر نہ کرے۔

سلیمان ابن خالد سے منقول ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مرد عاقل و پرہیزگار سے مشورہ کرو کیونکہ وہ سوائے نیکی کے اور کسی بات کا مشورہ نہ دے گا تم اس کی مخالفت سے پرہیز کرو کیونکہ مرد عاقل و پرہیزگار کی مخالفت دین و دنیا دونوں کو فاسد کر دیتی ہے۔

طلب دنیا میں میانہ روی

اے فرزند تم پر لازم ہے کہ دنیا کو بطرز حلال حاصل کرو جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (وہ ایسا خدا ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے نرم (وہموار) کر دیا تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور اس کی (دی ہوئی) روزی کھاؤ۔)

ایضاً: فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (پھرو زمین پر اور چاہو فضل و عنایت خدا کو)

ایضاً۔ وَ آخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ روئے زمین پر چلتے پھرتے اور فضل خداوندی کی خواہش کرتے ہیں)

(مترجم: یہاں فی ظرفیت کا نہیں ہے بلکہ بمعنی علیٰ ہے ۱۲)

حضرت رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ عبادت کے ستر جز ہیں ان سب میں طلب حلال کا مرتبہ افضل ہے۔ طلب کے بعد میانہ روی اختیار کرے اور دنیا کے حاصل کرنے میں زیادہ منہمک نہ ہو۔

جناب امیرؑ نے حضرت امام حسنؑ کو وصیت فرمائی ہے کہ طلب دنیا میں میانہ روی مدنظر رکھو اور معمولی طریقہ سے کسب کرو کیونکہ زیادتی طلب اور کثرت ہوس موجب جنگ وجدل ہو جایا کرتی ہے نہ تو ہر طلب کرنے والا ہی رزق پاتا ہے اور نہ ہر ایسا شخص جو معمولی طریقہ سے طلب دنیا کرتا ہے وہ رزق سے محروم ہی رہتا ہے۔

جناب امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ رزق کو ضایع کرنے والے کی خواہش سے

زیادہ اور ایسے حریص کی طلب سے کم طلب کرنا چاہئے جو محض اپنی دنیا پر مطمئن و خوش رہتا ہو۔ تو اپنے نفس کو ایسے درجوں سے نکال اور ایسے منصف کی مانند ہو جو کہ اپنے نفس کو ضعیفوں اور کاہلوں کے درجہ سے بلند رکھتا ہے۔ دنیا کو اتنا حاصل کر جتنا ایک مومن کو ضرورت ہوتی ہے جیسے لباس و طعام ضروری اور نفقۂ عیال وغیرہ۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے گروہ مردم تم لوگوں سے میں نے وہ تمام چیزیں بیان کردی ہیں جو کہ تمہیں جہنم سے دور اور بہشت سے قریب کردیں گی۔ آگاہ ہو کہ روح القدس نے یہ امر میرے دلنشین کیا اور مجھے بتادیا ہے کہ جس کا رازقہ جب تک ختم نہیں ہوجاتا اسے موت نہیں آتی۔ تم لوگ طلب رزق میں کمی و احتیاط کرو۔ اگر تم تک دیر میں روزی خدا پہونچے تو اسے معصیت خدا کے ساتھ نہ حاصل کرو کیونکہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ بغیر اس کی اطاعت کے حاصل نہیں ہوتی۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے احمقوں کی روزیوں میں وسعت دی ہے تاکہ صاحبان عقل عبرت حاصل کریں اور یہ سمجھیں کہ دنیا کسی حیلہ و تدبیر سے نہیں ملتی۔

جناب امیرؑ سے منقول ہے کہ ایسے بہت لوگ ہیں جو اپنے نفس کو تعب میں ڈالتے ہیں مگر پھر بھی انہیں رزق کی تنگی رہتی ہے اور بہت لوگ ایسے ہیں جو طلب امور میں میانہ روی سے کام لیتے ہیں مگر ان کی قسمت یاور اور انہیں وسعت رزق حاصل ہوتی ہے۔ اگر بطریقۂ حلال تجھ سے دنیا موافق اور تیری طرف متوجہ ہو تو امور آخرت کے لئے اسے اپنا بہترین مددگار قرار دے۔

حضرت رسالتؐ پناہ نے فرمایا ہے کہ تقویٰ کے لئے تو انگری ایک اچھا مددگار ہے۔

عمر ابن جمیع نے جناب صادقؑ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس شخص میں بہتری نہیں ہے جو کسب حلال سے مال جمع کرنے کو دوست نہ رکھتا ہو تاکہ اس کی وجہ سے مخلوقات کے آگے ذلت سوال سے محفوظ رہے۔ اپنا قرض ادا اور اپنے اعزا سے مراعات کرے۔

کسی شخص نے حضرت صادقؑ کی جناب میں عرض کیا کہ میں طالب دنیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ دنیا مجھے حاصل ہوجائے۔ حضرت نے دریافت کیا کہ تو دنیا کو کس لئے دوست رکھتا ہے؟ عرض کیا تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے نفس اور اپنے عیال کو نفع پہونچاؤں۔ عزیزوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں۔ خوشنودیٔ خدا کے لئے بندگان خدا کی حاجتیں برلاؤں، حج و عمرہ بجالاؤں۔ حضرت نے فرمایا یہ تو طلب دنیا نہیں بلکہ طلب آخرت ہے۔

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ مومن کا صبح یا شام کرنا ایسی حالت میں کہ وہ پسر مردہ ہو بہتر ہے کہ لوٹ مار کر کسی کو مفلس بنادے۔

حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑ دے۔

جناب امیرؑ نے جناب امام حسنؑ کو وصیت فرمائی ہے کہ دنیا تمہارے واسطے اسی قدر بہتر ہے جتنا کہ قبر میں کام آئے۔ اگر کوئی شخص اس لئے روتا ہے کہ جو کچھ اسے ملا تھا وہ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا تو جو چیز اسے نہیں ملی اس کے لئے اس کو اور زیادہ رونا چاہئے۔ ناجائز طور سے طلب دنیا کرنے اور تہلکوں میں پڑنے سے تم کو پرہیز کرنا چاہئے اگرچہ اس کی راہیں تنگ ہوجائیں۔ آگاہ ہو کہ جو شخص خوف خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کو ہر مہلکہ (ہلاکت) سے نکالے گا اور ایسے مقام سے اسے روزی دے گا جہاں سے ملنے کا اسے گمان بھی نہیں تھا۔ پھر یہ امر کسی بندۂ صالح کے لئے کیونکر جائز ہے کہ وہ طلب حرام اور خلاف شرع کچھ حاصل کرے۔

حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنی امت کے ان افعال قبیحہ (کرتوتوں) اور اطوار شنیعہ (ذلیل عادتوں) سے بہت ڈرتا ہوں جو میرے بعد ان سے ظہور میں آئیں گے۔

حضرت امام رضاؑ نے داؤد صیرفی سے فرمایا ہے کہ مال حرام بڑھتا نہیں، نہ اس میں برکت ہوتی ہے، جو شخص اس میں سے جتنا خرچ کرتا ہے اس کا اجر نہیں پاتا اور جو اپنے بعد چھوڑتا ہے وہ جہنم تک اس کے ساتھ جاتا ہے۔

اہل دنیا سے دوری

اے فرزند میں تمہیں اس امر کی وصیت کرتا ہوں جس کے متعلق حضرت امیرؑ نے اپنے لخت جگر امام حسنؑ سے اس طرح وصیت فرمائی ہے کہ اے فرزند جہاں اہل دنیا کا مجمع دیکھو وہاں ٹھہرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اہل دنیا بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں۔ جو اُن میں عزت دار ہے وہ اپنے سے کم رتبہ والوں کو ستاتا ہے، جو قوی ہے وہ کمزوروں پر ظلم و جبر کرتا ہے۔ ان لوگوں نے دنیا ہی کو اپنا پروردگار قرار دیا ہے۔ دنیا ان سے کھیلتی ہے وہ دنیا سے کھیلتے اور آخرت کو بھولے ہوئے ہیں۔ اپنے نفس کو ہر دنی (نیچ) و ذلیل سے بلند رکھو اگرچہ تمہیں اس دنائت (نیچ پن)

سے خواہش نفس کے مطابق چیزیں حاصل ہوں۔ جو تمہارے نفس سے جاتا رہا تمہیں اس کا عوض نہ ملے گا یعنی تم نے اپنے نفس کو ذلت میں ڈال کر جو وقت رائگاں کیا ہے وہ پھر پلٹ نہیں سکتا۔ بندۂ غیر نہ بنو کیونکہ تمہارے خدا نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ شر سے جو چیز حاصل ہو وہ ہرگز بہتر نہیں، لالچ کے اونٹوں پر سوار نہ ہو کیونکہ وہ تم کو مقام ہلاکت پر لے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کے سوا اگر تم اپنا ولی نعمت کسی کو نہ بناؤ تو بہتر ہے کیونکہ جو تمہارے مقدر میں ہے وہ ملے گا اور جو تمہارا حصہ ہے وہ ضایع نہ ہوگا۔ خدا کی عطا کی ہوئی تھوڑی سی نعمت مخلوق کی دی ہوئی بہت سی نعمت سے عظیم تر ہے۔ اہل خیر سے نزدیکی اختیار کرو کیونکہ اس طرز عمل سے تم بھی اہل خیر میں شامل ہو جاؤ گے اہل شر سے الگ رہو کہ تم بھی شر سے محفوظ رہو گے۔ مصیبت کے وقت اپنے برادر ایمانی کی مدد کرو جب وہ پریشان ہو تو اس سے بہ لطف و مہربانی پیش آؤ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے پاس سے دو، اگر وہ تم سے دوری اختیار کرے تو اس سے نزدیک ہو، اگر وہ تم پر سختی کرتا ہو تو نرمی سے پیش آؤ۔ اگر اس نے تمہاری کوئی خطا کی ہو تو اس کا عذر قبول کرو، تم اس سے اسطرح پیش آؤ گویا کہ تم اس کے غلام ہو اور وہ تمہارا منعم و آقا ہے۔ خلاف مصرف و بے محل امور بجالانے سے تم اپنے نفس کو محفوظ رکھو۔ جو شخص جن امور کا اہل نہ ہو اس کے ساتھ ان امور کا برتاؤ نہ کرو۔ اپنے دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے دوست سے عداوت کرے گا۔ تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جن کو وعظ و پند سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ صاحب عقل اچھی بات کو بہ سہولت قبول کر لیتا ہے اور بہائم (برے) پر جب تک زدوکوب نہ ہو وہ کہنا نہیں مانتے۔ عاقل کو جاہل کی صحبت سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ چلنے سے پہلے کسی رفیق سے دریافت کر لو کہ کون سا راستہ اچھا ہے اور کون پُرخطر، گھر کی سکونت اختیار کرنے سے پہلے اس کی حالت ہمسایہ سے پوچھ لو۔ کوئی کلام مضحک تمہاری زبان سے کبھی نہ نکلنے پائے اگرچہ وہ کلام اور وہ حکایت کسی غیر ہی کی کیوں نہ ہو۔ تم اہل خاندان کا اکرام کرو کیونکہ وہ تمہارے "پر" ہیں جن سے تم اڑتے ہو یعنی وہ تمہاری تقویت کے باعث ہیں اور ان سے تمہارا نام ہوتا ہے۔ جہاں غیرت و حیا کا موقع نہ ہو وہاں تم ہرگز نہ شرماؤ۔ (ارشادات جناب امیر المومنینؑ ختم ہوئے)

حسن خلق

اے فرزند تاوقتیکہ کوئی دینی مضرت نہ ہو میں تم کو برادران ایمانی بلکہ تمامی خَلق سے بہ حسن خُلق پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کے میزان اعمال میں بروز قیامت حُسن خلق سے بہتر کوئی چیز نہ رکھی جائے گی۔

جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ جس میں چار چیزیں ہوں اس کا ایمان کامل ہوگا اگرچہ اس کا بال بال گناہگار ہو:

(۱) سچ بولنا (۲) ادائے امانت (۳) حیا و شرم (۴) حسن خُلق۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے کہ صاحب خُلق حسن کو اس شخص کے ثواب کے مانند ثواب ملتا ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور شب کو عبادت کرتا ہو۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا ہے کہ نیکی و حسن خُلق سے گھروں کی آبادی اور عمروں میں زیادتی ہوتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ عطایائے حق تعالیٰ سے خلق اللہ کے لئے حسن خُلق ایک عطا ہے۔ حسن خُلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجیہ دوسری نیت (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا کہ دونوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا کہ سجیہ کیونکہ صاحب سجیہ کی خلقت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ سوا اس کے اور کوئی امر نہ کر سکے اور صاحب نیت عمل کرنے سے طاعت گذار ہو جاتا ہے۔

اے فرزند تم سب سے نہایت خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ ملاقات کیا کرو۔ حسن ابن حسین سے منقول ہے، حسن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اولاد عبد المطلب تم میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ اپنے مال و دولت کے سبب سے لوگوں کی مدارات کرو لہٰذا خندہ پیشانی و خوش روئی کے ساتھ ملاقات کیا کرو تا کہ وہ خود بخود تمہارے گرویدہ ہو جائیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک شخص خدمت حضرت رسولؐ مقبول میں حاضر ہوا اور عرض پرداز ہوا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ فرمایا کہ تو اپنے برادر مومن سے بکمال خندہ پیشانی و بہ انتہائے سرور ملاقات کر۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا کینہ کو زائل کرتا ہے۔

(مترجم:- تفسیر کبیر میں آیۂ مبارکہ اَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى کے ذیل میں منقول ہے کہ خلیفۂ ثانی کے پاس ان کے زمانۂ خلافت میں فضلائے یہود سے ایک شخص نے آ کر کہا کہ مجھ سے حضرت رسولؐ خدا کے اخلاق بیان کیجئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ بلال سے پوچھ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب وہ بلال کے پاس آیا تو بلال نے کہا تم حضرت فاطمہؑ زہرا کی

خدمت میں جاؤ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ جب وہ دولت سرائے جناب سیدۂ عالمیاں پر
حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب امیرؑ کی خدمت میں جاؤ۔ جب وہ حضرت کے حضور میں
باریاب ہوا اور جناب رسولؐ خدا کے اخلاق دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے متاع دنیا کی
تعریف کرتا کہ میں تجھ سے حضرت ختمی مرتبتؐ کے اوصاف بیان کروں۔ اس نے عرض کیا کہ میں
تو متاع دنیا کی تعریف نہیں کرسکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تو وصف متاع دنیا سے عاجز ہے حالانکہ
خدائے تعالیٰ نے اس کے قلیل ہونے پر گواہی دی ہے کہ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (کہو اے رسولؐ کہ
دنیا کی ہر چیز تھوڑی ہے) پھر تو حضرت سرور کائنات کے اخلاق کا وصف مجھ سے کیونکر پوچھتا ہے
حالانکہ اس کے عظیم ہونے پر حق تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بیشک
تمہارے اخلاق بڑے (اعلیٰ درجہ کے) ہیں۔

صلۂ رحم

اے فرزند میں تمہیں برادران ایمانی سے عموماً اور جو لوگ تمہارے باپ کی صلب اور
تمہاری ماں کے بطن سے ہیں ان سے الفت ومحبت کرنے کی خصوصاً وصیت کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے
تم پر احسان کیا ہے ان کے ساتھ احسان کرو، جو تمہارے ساتھ برائی کرتے ہیں ان سے درگذر کرو۔
میں تمہارے بھائیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تمہاری متابعت اور فرماں برداری کریں۔ تمہارے خلاف
کوئی امر بجانہ لائیں اور ان لوگوں میں نہ ہوں جو اختلاف کرتے اور تفرقہ ڈالتے ہیں۔ اگر وہ تمہاری
متابعت نہ کریں گے تو ان کے امور فاسد ہوجائیں گے۔ ان کے انتظام میں خلل آجائے گا۔
انہیں اس طریقہ سے بسر کرنا لازم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے
پر رحم کریں اور صلۂ رحم بجالائیں۔ میں حق تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں کہ وہ میری اولاد کو صلۂ رحم
بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری اولاد میں جو اس وصیت کے خلاف عمل کرے گا وہ خلاف ورزی
کا مظلمہ اپنے سر لے گا۔

شعیب عقرقوقی سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کو فرماتے
ہوئے سنا ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ایسے برادر نیک بنو جو خوشنودی خدا کے لئے ایک دوسرے کو دوست
رکھتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرو اور نیکی واحسان کے ساتھ پیش آؤ۔ صلۂ رحم بجالاؤ اور

تم برادران صالحین میں شمار ہونے کے قابل ہوجاؤ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

جناب امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اقرباء سے وہ صلۂ رحم بجالاتے
ہیں اور ان کی عمر میں صرف تین سال باقی رہ جاتے ہیں مگر حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صلۂ رحم
بجالانے کے صلہ میں ان کی حیات میں تیس برس کا اضافہ فرمادیتا ہے اور وہ قادر ہے جو چاہتا ہے
کرتا ہے۔

جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ عزیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اعمال کو پاک،
بلاؤں کو دفع، حساب روز قیامت کو آسان، عمر کو دراز اور مال ودولت کو زیادہ کرتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ تو صلۂ رحم بجالا اگر تجھ میں زیادہ مقدرت نہ ہو
تو اپنے عزیز کو ایک گھونٹ پانی ہی پلادے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ صلۂ رحم اور ہمسایہ سے نیکی کرنا گھروں
کو آباد اور عمروں کو زیادہ کرتا ہے۔

جناب امیرؑ نے فرمایا ہے کہ صلۂ رحم بجالاؤ۔ اگر تم کچھ نہیں کرسکتے تو اپنے عزیزوں کو محض
سلام ہی کرلیا کرو۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (اور ڈرو تم خدا
سے ایسا خدا جو تم سے اور تمہارے عزیزوں سے سوال کرے گا)

ایسی ہی اور بہت سی حدیثیں ہیں مگر طول کلام کے خیال سے زیادہ نہیں بیان کرسکتا۔

بُکَاعَلَی الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَام

اے فرزند تمہیں جناب سید الشہداء خامس آلِ عبا سبطِ رسولؐ الثقلین امام الکونین
سلطانُ المشرقین حضرت امام حسینؑ کی مصیبت جانگزا پر رونے پیٹنے اور گریہ وزاری کرنے کی وصیت
کرتا ہوں خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ان کے سر قلم کئے گئے، ان کے حرم محترم قید کیے گئے، کوچہ وبازار
میں ان کی توہین کی گئی، انکے چھوٹے چھوٹے بچے ذبح کیے گئے۔ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص
مظلوم کربلا کے مصائب پر روئے یا رونے والے کی صورت بنائے اس پر جنت واجب ہے۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے خون کے ضایع ہونے، ہماری حق تلفی اور
ہتک حرمت پر یا ہمارے کسی شیعہ کے لئے جس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے حق تعالیٰ اس کو
اسی بہانہ سے جنت میں جگہ دے گا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمیں یاد کرے یا اس کے پاس

ہماراذکر ہوا اور اس کی آنکھ سے پرِ پشہ کے برابر آنسو نکلے تو حق تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اگر چہ وہ مانند کف دریا ہوں۔

جناب امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے مصائب کا ذکر کرے اور ان مصیبتوں پر گریاں ہو وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ ہوگا ہمارے درجہ میں۔ جو شخص ہماری مصیبتوں کے ساتھ ہمارا تذکرہ کر کے روئے اور رلائے تو اس دن اس کی آنکھ نہ روئے گی جس دن کہ تمام آنکھیں گریاں ہوں گی۔ جو شخص اس مجلس میں بیٹھے جہاں کہ ہماراذکر زندہ کیا جائے تو اس دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن کہ تمام دل مردہ ہوں گے۔

جناب امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث طویل میں یہ منقول ہے کہ جناب سید الشہداءؑ کو جو شخص روتا ہے آپ اس کو دیکھتے اور اس کی مغفرت اور اس کے تمام گناہوں کے آمرزش کی دعا کرتے اور اپنے والد ماجد سے سفارش فرماتے ہیں کہ حضور بھی اس کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں اور خود اس شخص سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے رونے والے تیرے لئے حق تعالیٰ نے جو کچھ مہیا فرمایا ہے اگر تو اس سے واقف ہو جائے تو یقینا تیرے غم سے تیری خوشی زیادہ ہو جائے گی۔ (ایسی ہی اور بہت سی حدیثیں ہیں مگر یہاں اسی قدر لکھا جاتا ہے۔)

جناب غفرانمآبؒ اپنے فرزند ارجمند سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ان وصیتوں کا ایک حصہ ہے جس سے تم کو نفع پہنچے گا۔ ان وصیتوں کے ساتھ مجھے ہمیشہ بہت انہماک تھا اور ان امور کا وصیت کرنا مجھ کو لازم تھا۔ خدا تم کو اور تمامی مومنین کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی توفیق دینے والا اور معین ہے۔

اے فرزند اب میں اپنے مفید مطلب وصیتیں کرتا ہوں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ موت کہاں آئے گی اور کل کیا ہوگا تو بے شک میں تم سے کچھ ایسے امور کی وصیت کرتا جو اموات کے متعلق ہیں۔ اگر میں تم سے کچھ باتیں کہوں تو اس کا نتیجہ یقین کی حد تک پہنچتا ہے۔ جبکہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا لہٰذا میں اپنے مقاصد کو مشروط بیان کرتا ہوں۔

صبر وضبط

اے فرزند! خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو میری رحلت کے وقت میرے پاس موجود رکھے۔ اگر میری خواہش کے مطابق میری تقدیر نے ساتھ دیا اور تمہاری

موجودگی میں میری موت آئے اور تم سے ہو سکے تو تم اپنے آقا جناب امیر المومنینؑ کا طریقہ اختیار کرنا کیونکہ تجہیز و تکفینِ حضرت رسولؐ خدا میں وہ جناب خود مصروف ہوئے حالانکہ آنحضرتؐ سے جناب امیرؑ بہت محبت رکھتے اور بے حد مانوس تھے چنانچہ جناب امیرؑ خود فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بجز آنحضرتؐ کے اور کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ میں اس سے انس رکھتا میں حضرت کے سوا نہ کسی پر بھروسہ کرتا اور نہ کسی سے نزدیکی چاہتا تھا۔ آنحضرتؐ نے زمانۂ طفلی میں میری تربیت فرمائی۔ جب میں بڑا ہوا تو مجھے نامور کیا۔ میرا تمام بار اپنے ذمہ لیا، یتیمی کی مصیبتوں میں مجھے تسلی دی اور میری تشفی فرمائی۔ مجھ کو ایسا مستغنی فرمادیا کہ میں کسی سے کسی چیز کا طلبگار نہیں ہوا۔ میری اور میرے عیال کی کفالت فرمائی۔ میرے حال پر آنحضرتؐ کی یہ عنایتیں دنیا میں تھیں آخرت میں پیش خدا جو مرتبے مجھے عطا فرمائے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ آنحضرتؐ کی وفات سے جو مصیبت مجھ پر طاری ہوئی اگر پہاڑوں پر ایسی مصیبت پڑتی تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکتے۔ میں اپنے اہلبیت کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنا گریہ ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اس حد تک ضبط کیا کہ میرے صبر سے میرا اضطراب دفع ہوا۔ میں نے اس مصیبت میں اس قدر ضبط کیا تھا کہ میری عقل حیران ہو گئی تھی میں کسی بات کے سمجھنے اور سمجھانے سے بالکل قاصر ہو گیا تھا۔ اولاد عبد المطلبؓ کے سوا سب لوگ مجھے صبر کی ہدایت کرتے اور بہت لوگ ایسے بھی تھے جو گریہ وزاری میں میرے شریک ہوتے یعنی میرے رونے پر خود بھی روتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد میں نے سکوت و صبر سے کام لیا اور اپنے لئے وہ مشغلہ اختیار کیا جس کے متعلق آنحضرت نے مجھے حکم دیا تھا یعنی پہلے تو میں سامان تجہیز و تکفین و حنوط وقبر وغیرہ میں مصروف رہا اور اس کے بعد قرآن مجید کا جمع کرنا شروع کر دیا۔ میرے ان امور میں نہ اتنی بڑی مصیبت حارج ہوئی نہ سوزش دل اور نہ ہی آہ و اشکباری وغیرہ کچھ مانع ہوئی۔ غرضکہ میں نے اسی عالم میں خداورسولؐ کے حقوقِ واجب ادا کئے اور آنحضرتؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اسے بجالایا اور میں صرف خداوند عالم ہی سے ان خدمتوں کے اجر وجزا کا خواہاں تھا۔ (انتہیٰ)

ایصال ثواب

اے فرزند اگر تم اپنی بیتابیٔ قلب، کمیٔ صبر، زیادتیٔ غم والم اور کثرت حزن وملال سے میری تجہیز و تکفین وغیرہ نہ انجام دے سکو تو یہ کام ایسے برادران ایمانی کے سپرد کر دینا جو احکام میت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرے دفن کے لئے کسی قطعۂ زمین کو پروردگار عالم کے مشورہ اور استخارہ سے

تجویز کرنا۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ تم کبھی کبھی میری قبر پر فاتحہ پڑھنا اور بعض طاعتوں کا ثواب مجھے ہدیہ کرنا۔ میرے بعد میرے ذکر میں کمی نہ کرنا کیونکہ اگر مجھے فراموش کر دو گے تو اربابِ وفا تمہیں بے وفا سمجھیں گے۔ مجھے بہت یاد بھی نہ کرنا ورنہ صاحبان رضا تم کو عاجز خیال کریں گے۔ تنہائی میں اور نماز کے بعد مجھے ضرور یاد کرنا۔ میرے قرضِ واجب الادا کو ادا کرنا اور میں جن امور کا مستحق ہوں ان کے بجالانے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔ میں تمہیں نیز اپنی تمام اولاد اور برادران ایمانی کو وصیت کرتا ہوں کہ میری قبر پر آ کر قرآن مجید اور دعائیں پڑھا کریں تاکہ میرا پروردگار اس عالم بیکسی وتنہائی میں میری وحشت دور کرے اور مجھ پر اس حد تک رحم فرمائے کہ میں اس کی رحمت کے سوا تمامی مخلوق کی مہربانیوں سے بے نیاز ہو جاؤں۔ بارگاہِ جنابِ احدیت میں یہ التجا ہے کہ وہ مجھے میرے سرداران طیبین وطاہرین کی زیارت سے مشرف اور ان حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں باریاب فرمائے۔ اب میں تم کو حق تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ میری جانب سے وہی تمہارا کفیل ومعین وحافظ وناصر وحامی ومددگار رہے۔

(مترجم:- حضرت اکرم الاکرمین کا ہزار شکر و احسان کہ اس کے فضل و کرم سے اس کے عبد ذلیل نے اس رسالۂ نافعہ کو تمام کیا۔ وہی ایسا بخشش کرنے والا ہے کہ بندوں کے تھوڑے عمل خیر کو قبول فرماتا اور بہت سے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہی کریم ورحیم بحق محمد وآلہ الامجاد علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے اس بندئہ گناہگار پر دونوں جہاں میں ہر آن اپنی نگاہ فضل و رحمت مبذول رکھے تاکہ میرا انجام بخیر ہو جائے۔ میرے پاس اعمال خیر کا ذخیرہ نہیں جس پر مجھے کچھ بھروسہ ہو۔ میں تو اس کی مرحمت کا آسرا لگائے ہوں جس کا دامن عفو میرے تمام گناہوں کو چھپالے گا اور جس کا دست لطف مجھے خلعت نجات عطا فرمائے گا۔)

عبدہٗ

سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی عفی عنہ

تاریخ اشاعت پاک

۲۰۰۶ء

(پیام غفران مآبؒ)

۱۴۲۷ھ

وصیت نامہ زیبائے غفران مآبؒ

۲۰۰۶ء

عالم اجل حضرت سید دلدار علی

۲۰۰۶ء

م۔ر۔عابد

وصیت اک نصیحت، اک ہدایت، اک پیام
وصیت اک روایت، اک تسلسل، اک نظام
وصیت اک کتابت، اک خطابت، اک سلام
وصیت ہستیِ فانی کا اک نقشِ دوام
وصیت آرزوئے زندگی کا نام ہے
وصیت امتیازِ آدمی کا نام ہے
وصیت اک بصیرت، اک نظر، اک آگہی
وصیت حاصلِ عمرِ رواں دیدہ وری
وصیت عافیت کی اک تمنائے دلی
وصیت خواہشِ تکمیل ادھورے کام کی
وصیت وہ ارادہ جو ارادت سے چلے
وصیت وہ ادارہ جو محبت سے چلے
وصیت موت کی دستک کا تحریری جواب
وصیت دورِ مستقبل سے ہنگامی خطاب
وصیت احتسابِ نفس کی ایک آب و تاب
وصیت خودنوشتِ ذہن کا اک خاص باب
وصیت ٹوٹتے خوابوں کا بن جانا بھی ہے
وصیت چھوٹتے رشتوں کا جُڑ پانا بھی ہے

وصیت دائمی رخصت کا جذباتی پیام
وصیت پاسداری کی امانت کا دوام
وصیت دردمندی کا سجایا انتظام
وصیت اصلیت کا امتحانِ احترام
وصیت آشتی کا دلربا پیغام ہے
وصیت سرفرازی کا کھنکتا جام ہے

وصیت ہے سرورِ زندگی بعدِ ممات
وصیت ہے ثباتِ تربیت بعدِ حیات
وصیت نکتۂ تالیف و لطف و التفات
وصیت نسلوں کے مابین ربطِ پُر ثبات
وصیت آرزو بھرتی دلِ احساس سے
وصیت گفتگو کرتی لبِ قرطاس سے

وصیت پختگیٔ فکرِ انسانی کا نام
وصیت وسعتِ تہذیب عمرانی کا نام
وصیت قوتِ تبلیغِ پنہانی کا نام
وصیت طاقتِ غیبی کی سلطانی کا نام
وصیت کے بیانیہ سے قرآں کام لے
وصیت کو علامت کرکے قرآں کام لے

وصیت زور ہے پیرایۂ اظہار کا
وصیت شور ہے میخانۂ افکار کا
وصیت دور ہے پیمانۂ آثار کا
وصیت طور ہے معدوم سے کردار کا
وصیت یادگاری کی غزل خوانی بھی ہے
وصیت ورثہ داری کی سخن رانی بھی ہے

وصیت راز کی بنیاد پر تعمیر ہے
وصیت خوابِ ماضی کی رواں تعبیر ہے
وصیت باطنی رشتہ کی اک توقیر ہے
وصیت یوں پذیرائی کی اک تصویر ہے
وصیت کی پذیرائی کا ساماں کیجئے
وصیت سے زمانوں کو فروزاں کیجئے

وصیت اختیارِ نسلِ پارینہ بھی ہے
وصیت اعتبارِ نسلِ آئندہ بھی ہے
وصیت آنے والے وقت کا نقشہ بھی ہے
وصیت عصرِ حاضر کا بِکا حصہ بھی ہے
وصیت وقفِ ماضی ہے، حفاظت کیجئے
وصیت یاد کا عنواں ہے، عزت کیجئے

وصیت قدر لیتی شخصیت سے بے گماں
وصیت میں جھلکتا ذہنیت کا این و آں
وصیت کا صحافی سرخی دیتا اس کو ہاں
وصیت اہل علم و فضل کی ہوتی نشاں
وصیت ایسی دنیا کے لئے معیار ہے
وصیت یہ خرد کا طرۂ دستار ہے

یہاں دیکھیں وصیت نامۂ غفرآں مآبؒ
وہی غفراں مآبؒ اہلِ صفا، جانِ صواب
وہی فکر و نظر سے پیشوائے انقلاب
وہ پہلا مجتہد ہندوستاں کا، حق جناب
شریعت کا محافظ، مصلح ملت بھی تھا
اڑایا تھا خمار سلطنت، مولائی تھا

بنا وہ سربراہِ خاندانِ اجتہاد
فقیہِ عصر تھا، وہ رہبرِ صدق و سداد
ستونِ علم تھا رکنِ قلم، دیں کا عماد
مجاہد عزم کا تھا، آگہی کا اعتماد

اصولی دین کا رہبر، مروج بھی وہ تھا
مجدد وقت کا تھا یعنی احیائی وہ تھا

وصیت نامہ یہ اس نیک بیں کا چھپ گیا
وصیت نامہ ہے نورِ ہدایت سے جِلا
اسے دیکھیں، پڑھیں قدسیؔ قلم کا ترجمہ
وہ قدسیؔ شاعر قدسی خیال، اہلِ ولا

وہ عربی، فارسی، اردو کا شاعر، نامی تھا
کوی اودھی کا تھا، بھاشاؤں کا گیانی بھی تھا

وہ فاضل، فخرِ جائس، نازشِ ہندوستاں
وہ عرشیؔ زاد، نیک و امتیازِ شاعراں
وہ مفتاحؔ ہدیٰ، زیرک، سخنور، خوش بیاں
وصیت نامۂ غفراں مآبؒ اس سے عیاں

وصیت نامہ کو اردو کا جامہ دے گیا
سمجھنا کر گیا آسان، تحفہ دے گیا

وصیت نامہ یوں تو خاص ہے بیٹے کے نام
مگر اربابِ ایماں کے لئے ہے یاں پیام
کہ ہر مومن سے روحانی پدر ہے ہم کلام
اشاعت سے ہے اسکی وقت کی خواہش بھی رام

چھپا ہے آج وصیت نامۂ غفراں مآبؒ
٦ ٠ ٠ ٢ ء
چھپا اچھا ہوا آوازۂ غفراں مآبؒ
٧ ٢ ۴ ١ ھ

لکھنؤ سے خطاب

تو علم واجتہاد کا ہے مہدِ اولیں
ہندوستاں میں تیرا مقابل کوئی نہیں
دنیائے بے خبر کو دیا تو نے درسِ دیں
ہم پایۂ عراق وعجم تیری سرزمیں
بخشا یہ اوج ہادیٔ راہِ صواب نے
جنت بنا دیا تجھے غفراں مآبؒ نے

❂❂❂

شاعر آل محمدؐ مولانا سید قائم رضا صاحب نسیمؔ امروہوی